مواعظ، بیانات اور دینی مجالس میں بیان کی جانے والی پچپن ایسی روایات
کا مجموعہ، جن کو معتدل ائمہ حدیث نے بے سند اور من گھڑت قرار دیا ہے۔

مفتی
صداقت علی

مواعظ، بیانات اور دینی مجالس میں بیان کی جانے والی ۵۹ ایسی روایات کا مجموعہ
جن کو معتدل ائمہ حدیث نے بے سند اور من گھڑت قرار دیا ہے۔

چند معروف

لیکن

غیر مستند احادیث

استاذ الحدیث
مُفتی صداقت علی
مدرسہ مرکزی دار القرآء نمکمنڈی پشاور

مکتبہ فاروقِ اعظمؓ
قصہ خوانی بازار محلہ جنگی پشاور: ۰۹۱۲۵۹۱۸۵۳

نام کتاب: چند معروف لیکن غیر مستند احادیث۔
(جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

مؤلف: مفتی صداقت علی

باہتمام: قاری محمد جاوید صاحب، مفتی شاہد اللہ صاحب

ڈیزائن کردہ: احسان گرافکس پشاور

طبع جدید: جمادی الاول ۱۴۳۸ھ / فروری ۲۰۱۷ء

مطبع: مکتبہ فاروق اعظم پشاور

۰۳۴۵-۹۵۹۷۶۹۳/۰۳۰۸-۵۶۶۱۳۳۲

ناشر: تحقیق کدہ پشاور

Islamic research centre Peshawar – Pakistan
Email: sadaqat۵۸۳@yahoo.com

فہرست

رائے گرامی

استاد العلماء حضرت مولانا عبدالغفار صاحب دامت برکاتہم

استاد الحدیث ونائب مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ الفریدیہ اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم امابعد:

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے پیغمبر ﷺ کی ذات بابرکات سے عشق و محبت اور عقیدت کا جو خاص الخاص تعلق نصیب فرمایا ہے۔ اس کی نظیر اور مثال سابقہ امتوں میں نہیں مل سکتی۔ اسی لئے قرن اول سے ہی آپ کی خلوت و جلوت کے حاضر باش ساتھیوں نے آپ کی مبارک زندگی کے ہر ہر گوشہ کو اور آپ کی ایک ایک ادا کو کمال احتیاط اور پوری دیانت وامانت کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔ آج اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ﷺ کی مبارک زندگی کی مکمل تصویر اور پورا نقشہ دیکھنا ہو تو احادیث کی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کی اس غیر معمولی محبت وعقیدت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے آخری پیغمبر ﷺ کی پوری زندگی محفوظ کرنے کی ایسی محیر العقول خدمت کی سعادت بخشی ہے کہ پچھلی امتوں کی پوری تاریخ اس کی

کوئی مثال پیش نہیں کر سکی۔ آپ ﷺ کی احادیث کو حاصل کرنے کے شوق اور طلب میں مصائب و تکالیف کو برداشت کرنا، جنگلوں، بیابانوں سے ہوتے ہوئے ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک شہر سے دوسرے شہر تک پہنچنا ان کے نزدیک معمولی بات تھی۔ راویان حدیث اور محدثین کے بے شمار واقعات سے اس کی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

اور پھر یہ سب کچھ محض اتفاقی طور پر نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور عنایت خاصہ سے اس امت سے یہ عظیم الشان کام لیا ہے اور اس کے لئے اس امت کے بے شمار لوگوں کو غیر معمولی حافظہ اور ذکاوت، دلچسپی اور شوق عطا فرما کر ایک معجزانہ کام کی توفیق بخشی ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہ پیغمبر آخری پیغمبر ہیں اور ان کا لایا ہوا دین آخری دین ہے جو تا قیامت اپنی صحیح شکل میں محفوظ رہے گا۔

لیکن بایں ہمہ بعض لوگوں نے اپنے مخصوص نقطہ ہائے نظر کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی طرف ایسی احادیث کی نسبت کی جو آپ ﷺ نے ارشاد نہیں فرمائی تھیں۔ حالانکہ خود جناب نبی کریم ﷺ نے امت کو اپنی طرف کسی بات کی جھوٹی نسبت کرنے سے ڈرایا ہے اور اس پر سخت وعید بیان فرمائی ہے تاکہ اس دین میں بدعت و تحریف کا دروازہ بند ہو جائے اور یہ دین اپنی اصل شکل میں ہمیشہ تک آنے والے انسانوں کے لئے موجود رہے۔

اللہ تعالیٰ اس امت کے محدثین عظام کو پوری امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے احادیث کو پرکھنے کے لئے ایسی شرائط اور ایسے اصول وضع کر دیئے کہ اس سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگیا اور موضوع و من گھڑت باتوں کو احادیث سے الگ کر دیا گیا۔ الحمد للہ اس موضوع پر علماء کی کئی کتابیں موجود ہیں۔

تمام علماء اور محدثین کا اتفاق ہے کہ موضوع او من گھڑت حدیث کو حدیث کے نام سے بیان کرنا اور شائع کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ محدثین نے تو یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ احادیثِ مبارکہ کی عبارت اور الفاظ مبارکہ پڑھتے وقت بھی حرکات کا تلفظ صحیح کرنا چاہیے مبادا کہ حرکات کے غلط تلفظ سے معنی بگڑ جانے کی وجہ سے جناب نبی کریم ﷺ کی طرف لاشعوری طور پر بھی کہیں ایسے معنی کی نسبت ہوجائے جو آپ ﷺ نے ارشاد نہیں فرمایا اور اس کو بیان کرنے والا اور پڑھنے والا جہنم میں اپنا ٹھکانا بنانے کی وعید کا مستحق ہوجائے۔

ہمارے ہاں بے شمار مبلغین، خطباء و واعظین اپنے وعظ و خطاب میں حدیث کے نام پر ایسی موضوع و من گھڑت باتیں بیان کرتے ہیں جو مستند کتبِ احادیث میں نہیں ملتیں یا محدثین عظام نے ان کو موضوع و من گھڑت قرار دیا ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض موضوع باتیں

اتنی مشہور ہوگئی ہیں کہ علماءِ کرام بھی انہیں احادیث کے نام سے بیان کر دیتے ہیں۔ بلکہ میں خود بھی بعض روایتوں کو حدیث سمجھ کر بیان کرتا رہا۔ چنانچہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی اس کوتاہی پر توبہ واستغفار کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے آمین۔

برادرم حضرت مولانا مفتی صداقت علی صاحب ہمارے جامعہ فریدیہ کے ہونہار، ذی استعداد اور محنتی طلبہ میں سے تھے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں تدریس کے ساتھ ساتھ تبلیغ دین کی محنت کے سلسلے میں ملک بلکہ بیرون ملک کے مختلف اطراف واکناف کے کئی اسفار کی توفیق عطا فرمائی اسی دوران انہوں نے دینی ذوق ومزاج رکھنے والے مختلف لوگوں سے ایسی روایات سنیں جنہیں محدثین نے موضوع قرار دیا ہے توان کے دل میں تحقیق کا جذبہ اور داعیہ پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے بڑے اہم موضوع پر قلم اٹھایا اور "چند معروف لیکن غیر مستند احادیث" کے نام سے کتاب لکھ کر قابلِ قدر اور مفید کام کیا ہے اور احادیث کے نام سے بیان کی جانے والی بعض مشہور باتوں کو تحقیق کر کے جمع کر دیا ہے نیز ان ائمہ حدیث کے اقوال کو اپنی تحقیق کی بنیاد بنایا ہے جو احادیث کے مراتب بیان کرنے میں احتیاط اور اعتدال کی راہ پر ہیں اور ان کا قول امت میں سند اور اتھارٹی کا درجہ رکھتا ہے چنانچہ ایسے محتاط محدثین بھی کسی حدیث کو موضوع ومن گھڑت قرار دیں تو پھر اس کو حدیث کے نام سے بیان کرنے سے اجتناب کیا جانا چاہیے۔

تمام مسلمان بھائیوں بالخصوص مبلغین، واعظین ائمہ وخطباء، طلبہ وعلماء سے التماس ہے کہ وہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں اور ائمہ حدیث کے اقوال کی روشنی میں جن احادیث کے موضوع ہونے کی نشان دہی کی گئی ہے ان کو حدیث کے نام سے بیان نہ فرمائیں اور اپنے مواعظ ونصائح اور خطبوں میں احادیث کے بیان کرنے میں احتیاط کا راستہ اختیار فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مفتی صداقت علی صاحب کی اس محنت اور کاوش کو قبول فرما کر حدیث کی خدمت کرنے والے سعادت مند مسلمانوں میں ان کو شامل فرمائے اور اس کتاب کو ان کے لئے اور ان کے جملہ معاونین ومتعلقین کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔

آمین یا رب العالمین بجاه نبینا الکریم ورسولنا الامین، محمد وعلی آله واصحابه اجمعین۔

عبدالغفار

۲۲/۵/۱۴۳۷ھ

نائب مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیۃ الفریدیۃ

ای سیون اسلام آباد

عرض مؤلف اور وجہ تالیف

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں امت مسلمہ کی وسیع ترین، قوی ترین اور مفید ترین دعوت، تبلیغی جماعت کی دعوت ہے۔ جس کا دائرہ اثر اس وقت بلا مبالغہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک عمل کی تجدید حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے فرمائی۔ جن کی فکر، کڑھن اور بے چینی و بے کلی آج بھی ہزاروں لاکھوں سینوں کو مضطرب کیے ہوئے ہے۔ اور الحمدللہ آج اس فکر کو وظیفہ حیات بنا کر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے بستی بستی اور نگر نگر پھر کر احیاء دین میں مصروف ہیں۔

اس مبارک جماعت سے راقم الحروف کی وابستگی سنِ شعور میں قدم رکھنے سے بھی پہلے کی ہے۔ بقول شاعر:

أتاني هواها قبل أن أعرف الهوىٰ
فصادف قلباً خالياً فتمكنا

یہی عقیدت اور تعلق علمِ دین کے حصول کا سبب بنی۔ الحمدللہ یہ وابستگی اور عقیدت آج پہلے سے زیادہ اور شعوری و اختیاری بن چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ تادمِ مرگ اس مبارک محنت کے ساتھ جڑے رہنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

راقم کا دورۂ حدیث اور بعد ازاں تخصص فی الفقہ سے فراغت کے بعد تبلیغی محنت کے سلسلے میں اندرون ملک سال کا سفر ہوا اور اس کے بعد تاحال بیرون ممالک کے دو سفر ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ دورانِ طالب علمی بھی سالانہ چھٹیوں میں ہر سال کم و بیش اوقات لگانے کا موقع ملتا رہا۔ اس دوران بہت سی ایسی روایات سننے سنانے میں آتی رہتیں جو معروف اور متداول کتب حدیث میں موجود نہ ہوتیں، نہ ہی طالب علم یا استاد کی حیثیت سے دورانِ مطالعہ کبھی نظر سے گزری ہوتیں۔ بعض اوقات جماعت کے کسی ساتھی کی طرف سے کسی روایت کے بارے میں پوچھا جاتا کہ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ تو اگر اس بارے میں علم ہوتا تو بتا دیتا ورنہ لاعلمی کا اظہار کر دیتا۔ لیکن دل میں اس روایت کے بارے میں تحقیق کرنے کی خواہش اور ارادہ ضرور پیدا ہوتا۔ رفتہ رفتہ یہ خواہش دل میں جڑ پکڑتی گئی کہ ان روایات کو جمع کیا جائے جو بیانات اور مواعظ میں تو مشہور ہیں لیکن ان کی نسبت حضور ﷺ کی طرف درست نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ کا نام لے کر ایسی روایات کو جمع کرنا شروع کیا جن کا مجموعہ اب کتابی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

مجھے اپنی کوتاہ فہمی اور یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہو رہی کہ میں تحقیق و تصنیف کے میدان میں نووارد، اس کے نشیب و فراز سے کوسوں دور اور اس کے لیے مطلوب صلاحیتوں سے بالکل تہی

دامن ہوں۔ لیکن تبلیغ وافتاء وتدریس سے بیک وقت وابستگی کی وجہ سے اس تالیف کی شدید ضرورت محسوس ہوتی رہی اور ضرورت کے اس احساس نے قلم اٹھانے اور جیسا کیسا لکھنے پر آمادہ کیا۔ لہذا اگر اس کتاب میں کوئی نقص وخامی نظر آئے (جو کہ یقینا موجود ہوں گی) تو اس کو ایک طالب علمانہ کاوش سمجھتے ہوئے ضرور اصلاح فرمائیں، بندہ آپ کا ممنون ہوگا۔

نیز جن ساتھیوں نے اس کتاب میں جس حیثیت سے بھی معاونت اور رہنمائی کی، اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق ان کو دنیا وآخرت میں اس کا بدلہ عطا فرمائے۔ آمین

صداقت علی

یکم محرم الحرام، ۱۴۳۷ھ

کتاب کے بارے میں چند وضاحتیں

اس کتاب کے مطالعہ کے دوران مندرجہ ذیل باتیں ذہن نشین رہنی چاہیے۔

یہ کتاب ایک مقدمہ اور کل چھ ابواب اور ان کی ذیلی فصول پر مشتمل ہے۔ جن میں پہلے باب میں حدیثِ موضوع کی تعریف، اس کا حکم اور حدیث گھڑنے کے اسباب ذکر کیے گئے ہیں۔ باقی پانچ ابواب میں کل انسٹھ ایسی روایات ذکر کی گئی ہیں جن کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف درست نہیں۔

اس کتاب میں درج احادیث کے نمبر شمار میں موضوع روایات پر "حدیث" کا اطلاق لغوی معنی کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ اصطلاحی معنی یعنی حدیثِ نبوی کے اعتبار سے لفظِ حدیث کا اطلاق نہیں کیا گیا۔

احادیث پر موضوع اور من گھڑت ہونے کا حکم لگانے کے لیے محتاط اور معتدل ائمہ حدیث کے اقوال اور کتب کا سہارا لیا گیا ہے۔ مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ سخاویؒ، علامہ سیوطیؒ، حافظ عجلونیؒ اور ملا علی قاریؒ وغیرہ۔ اپنی ذاتی رائے یا ذاتی تحقیق سے کلی طور پر اجتناب کیا گیا ہے۔ یعنی اس کتاب میں مصنف کی حیثیت محقق کی نہیں بلکہ محض ناقل کی ہے۔

جو ائمہ حدیث، احادیث پر حکم لگانے میں متشدد مشہور ہیں، ان

کے اقوال کو بنیاد بنا کر کسی حدیث پر موضوع ہونے کا حکم نہیں لگایا گیا ہے۔ بلکہ ایسے حضرات کے اقوال کو بعض مقامات پر محض تائیدی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں احادیث کو استقرائی طور پر جمع کیا گیا ہے یعنی جو موضوع روایات میرے سننے میں آئیں، ان کو جمع کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ بہت سی ایسی موضوع روایات مزید بھی موجود ہوں جو مواعظ میں عام ہیں لیکن اس کتاب میں ذکر نہ کی گئی ہوں۔

اس کتاب میں جن روایات کو موضوع کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایات آپ ﷺ کی فرمودہ نہیں ہیں، مطلق ثبوت کی نفی نہیں کی گئی ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی بزرگ کا مقولہ ہو جیسا کہ کئی مقامات پر اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔

مقدمہ

- سند حدیث
- فضائل میں ضعیف احادیث
- ضعیف احادیث بیان کرنے کے جواز کی شرائط

''سند حدیث'' اسلام کا تمغہ امتیاز:۔

دین اسلام، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کو عطاکردہ وہ مذہب ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک اپنا پسندیدہ دین اور اپنی رضامندی کا باعث قرار دیا ہے۔اور دین اسلام پر گزشتہ شریعتوں کے برعکس کبھی بھی خط تنسیخ نہ کھینچنے کا وعدہ کیا ہے۔اس دین کی ابدیت اور اس کو صحیح اور حقیقی شکل میں محفوظ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر وہ تمام اسباب پیدا فرمائے ،جن کی بدولت کسی بھی دور میں آنے والا مسلمان باآسانی خیر القرون کے دین تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔

والحمد لله على ذلك!

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

''وأيم الله لقد تركتكم على مثل البيضاء ليلها و نهارها سواء۔''[1]

ترجمہ: اللہ کی قسم !میں تمہیں ایسی واضح اور اجلی شریعت پر چھوڑ رہا ہوں جس کی رات اور جس کا دن ایک جیسے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے ،جنہوں نے قرآن کے ساتھ صاحبِ قرآن ﷺ کی حیات طیبہ کے ایک ایک

---

(۱) سنن ابن ماجه:؟

گوشے کی حفاظت کی اور آپ ﷺ کی احادیث کو محفوظ کر کے اسے نسل در نسل آگے منتقل کیا اور اس عظیم مقصد کے لیے حیران کن اور ناقابل یقین قربانیاں دیں۔ اس طرح حدیث کی سند میں حضور ﷺ تک پہنچانے والے ہر واسطے کی چھان بین کرتے ہوئے لاکھوں آدمیوں کی زندگی کے حالات قلم بند کیے۔

فجزاهم الله تعالى خيراً

علم حدیث میں سندِ حدیث کی اہمیت، اس فن کے کسی بھی طالب علم پر مخفی نہیں ہے، سندِ حدیث کی حفاظت کو علماء دین نے اس امت کا خاصہ، اس کی کرامت اور امتیازی شرف قرار دیا ہے، جس میں کوئی دوسری امت اس کے ساتھ شریک نہیں۔

چنانچہ علامہ عبد الحئ لکھنویؒ متعدد ائمہ حدیث و رجال مثلاً امام احمدؒ، امام حاکمؒ، ابو حاتم رازیؒ، ملا علی قاریؒ اور دیگر علماء حدیث کے اقوال کی روشنی میں لکھتے ہیں:

"الإسناد مطلوب في الدين، قد رغبت إليه ائمة الشرع المتين وجعلوه من خصائص أمة سيد المرسلين ﷺ ـ"[1]

---

(۱) الأجوبة الفاضلة، مجموعة رسائل لکھنویؒ: ۴/۴۔

یعنی اسناد دین میں مطلوب و مرغوب چیز ہے اور علماء دین نے اسناد کو نبی کریم ﷺ کی امت کی خصوصیات میں شمار کیا ہے۔

حدیث کی سند کی بدولت ائمہ حدیث نے ذخیرہ احادیث میں چھان بین کر کے ان روایات کی نشاندہی کی ہے، جن کو اسنادی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کہنا درست نہیں، نیز صحیح اور ضعیف کی وضاحت کر کے ہر حدیث کا درجہ متعیّن کر دیا ہے، چنانچہ عقائد، احکام، حلال و حرام کا مدار ان احادیث کو قرار دیا گیا ہے جن کی سند قوی ہے، جب کہ ترغیب و ترہیب اور فضائل و مواعظ میں سنداً ضعیف روایات کو بھی (چند شرائط کے ساتھ، جن کی تفصیل آگے آرہی ہے) بیان کرنے کی اجازت دی گئی ہے، تاہم موضوع یعنی من گھڑت اور آپ ﷺ کی طرف غلط منسوب روایات کو بیان کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں:۔

"ويجوزعند أهل الحديث وغيرهم التساهل في الأسانيد ورواية سوى الموضوع من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه في غير صفات الله تعالى والأحكام كالحلال

والحرام وغيرهما، وذلك كالقصص وفضائل الأعمال والمواعظ وغيرهما مما لاتعلق له بالعقائد والأحكام"(۱)

یعنی محدثین کے ہاں ضعیف احادیث کی سند میں تساہل برتنااور ان کے ضعف کی وضاحت کیے بغیر ان احادیث کو بیان کرنااور ان پر عمل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ احادیث موضوع یعنی من گھڑت نہ ہوں اور عقائدواحکام یعنی حلال وحرام سے متعلق نہ ہوں، بلکہ اعمال کے فضائل اور مواعظ وغیرہ سے متعلق ہوں۔

فضائل میں ضعیف احادیث بیان کرنے کا حکم:۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اعمال کے فضائل اور ترغیبی امور میں ضعیف احادیث کا سہارا بھی لیا جاسکتا ہے، اور راویوں کے احوال اور سند کی تحقیق میں تساہل سے کام لیتے ہوئے اس کے ضعف کو بیان کیے بغیر حدیث روایت کی جاسکتی ہے۔

چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علمِ حدیث کے امام حضرت عبدالرحمن بن مہدیؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

---

(۱) تقریب النووی :۱/۱٦٢۔

"قال عبد الرحمن بن مهدي: إذاروينا عن النبي ﷺ في الحلال والحرام والأحكام، شددنا في الأسانيد وانتقدنا في الرجال وإذا روينا في الفضائل والثواب والعقاب، سهلنا في الأسانيد وتسامحنا في الرجال۔"[۱]

یعنی جب ہم رسول اللہ ﷺ سے حلال وحرام اور احکام کی روایات بیان کرتے ہیں، تو ہم ان روایات کی سندوں کی پوری تحقیق اور ان کے راویوں کی پوری چھان بین کرتے ہیں، لیکن جب ہم فضائل اور ثواب وعقاب کی روایات ذکر کرتے ہیں، تو ہم ان کی سندوں اور ان کے راویوں میں چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔

اسی طرح گزشتہ سطور میں علامہ نوویؒ کی کتاب "تقریب النووی" کی عبارت ذکر کی گئی ہے، جس میں ضعیف احادیث کو بیان کرنے میں تساہل سے کام لینے کو ائمہ حدیث کا مذہب کہا گیا ہے۔

فضائل اور احکام میں حدیث روایت کرنے کے بارے میں ائمہ حدیث کے اس معتدل مذہب سے ہٹ کر موجودہ دور میں افراط وتفریط پر

---

(۱) مقدمة فتح الملهم:۱/۲۴، دار إحياء التراث العربي۔

مبنی دو مختلف اور متضاد طرز عمل پائے جاتے ہیں، چنانچہ ایک طرف افراط اور تشدد پر مبنی رائے کے حامل وہ مکاتب فکر ہیں، جنہوں نے ضعیف احادیث کو موضوع اور من گھڑت روایات کے قریب کردیا ہے اور پورے ذخیرہ حدیث کو صحیح اور ضعیف میں تقسیم کر کے ضعیف احادیث کو عملاً معطل کر کے رکھ دیا ہے اور فضائل اعمال کی بیشتر کتب کو محض اس وجہ سے اعتراضات کا نشانہ بنایا ہے کہ ان میں ضعیف روایات مذکور ہیں۔

ضعیف روایات کے بارے میں یہ طرز عمل بالکل درست نہیں ،بلکہ ائمہ حدیث اور سلف کے طرز عمل کے خلاف ہے،اعمال کے فضائل میں ضعیف احادیث کو روایت کرنے اور ان پر عمل کرنے کو تقریباً تمام ائمہ حدیث نے جائز قرار دیا ہے۔

چنانچہ خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں:

”قد ورد عن غير واحد من السلف أنه لايجوز حمل الأحاديث المتعلقة بالتحليل والتحريم إلا عمن كان بريئًا من التهمة، بعيداً من الظنة، وأما أحاديث الترغيب والمواعظ ونحو ذلك فإنه يجوز كتابتها

عن سائر المشائخ"(۱)

ترجمہ: متعدّد سلف سے یہ منقول ہے کہ جو احادیث حلال وحرام سے متعلق ہوں، وہ صرف انہی حضرات سے نقل کی جاسکتی ہیں، جو ہر قسم کی تہمت وغیرہ سے بری ہوں، جب کہ ترغیب اور مواعظ وغیرہ کی احادیث تمام مشائخ سے روایت کی جاسکتی ہیں۔

نیز متعدّد ائمہ حدیث سے صراحتًا منقول ہے کہ فضائل ومواعظ میں ضعیف احادیث پر عمل کرنا جائز ہے۔

چنانچہ مندرجہ ذیل چند ائمہ حدیث کی تصریحات کے حوالہ جات ملاحظہ ہوں:۔

(۱) امام عبداللہ بن مبارکؒ، تدریب الراوی: ۱/۱٦۲

(۲) امام سفیان بن عیینہؒ، الكفاية في أصول السماع والرواية، خطیب بغدادیؒ: ص۲۱۲۔

(۳) امام سفیان ثوریؒ، الكفاية في أصول السماع والرواية، خطیب بغدادیؒ: ص۲۱۲

(٤) امام احمد بن حنبلؒ، تدریب الراوی: ۱/۱٦۲

---

(۱) الكفاية في أصول السماع والرواية، باب التشدد في أحاديث الأحكام والتجوز في فضائل الأعمال: ۳۳

(۵) حافظ ابن حجرؒ، مقاصد الحديث :۲/۱۳۸

(٦) شیخ الاِسلام حافظ ابن تیمیہؒ، مجموع الفتاوی:۱/۲۵۰

(۷) امام یحیٰ بن سعید قطانؒ، تحقيق المقال في تخريج أحاديث فضائل الأعمال:ص۱۱۱ بحوالہ المدخل الصغير

(۸) امام عبد الرحمن بن مهدیؒ، علوم الحديث لابن الصلاح:ص۱۰۳

(۹) امام یحیی بن شرف نوویؒ، التقريب للنووي:۱/۱٦۲

(۱۰) حافظ جلال الدین سیوطیؒ، تدريب الراوی:۱/۱٦۲

(۱۱) ملاعلی قاریؒ، مرقاۃ المفاتیح:۲/۳۸۱، الحظ الأوفر في الحج الأكبر: ص۱٤۹

ان تمام ائمہ حدیث اور اساطینِ علم حدیث کا یہی مذہب مندرجہ بالا حوالہ جات میں ذکر کیا گیا ہے کہ فضائل میں ضعیف احادیث کو بیان کرنا نیز اُن پر عمل کرنا جائز ہے، بلکہ ملا علی قاریؒ نے تو فضائل اعمال میں ضعیف احادیث پر عمل کرنے کے بارے میں علماءِ حدیث کا اتفاق نقل کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

”والضعيف يعمل به في فضائل الأعمال اتفاقاً۔“[1]

---

(۱) الموضوعات الكبرىٰ، رقم:۸۲۸، ص۲۰۹

لہذا ضعیف احادیث کو یکسر ناقابل بیان یا ناقابل عمل قرار دینا، نیز فضائل کی کتابوں پر (ضعیف احادیث ذکر کرنے کی وجہ سے) اعتراضات کرنا قطعاً درست نہیں، بلکہ یہ جمہور کے طریقے اور منہج سے ہٹ کر ایک غیر ضروری تشدد اور افراط پر مبنی طرز عمل ہے۔

دوسری طرف اس پہلی رائے کے بالکل برعکس وہ حضرات ہیں جو فضائل کے عنوان کے تحت بیان کی جانے والی روایات میں کسی قسم کی تحقیق کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے اور ہر نوع کی ضعیف احادیث کو بلا کسی تحقیق کے بیان کر دیتے ہیں، جبکہ بسا اوقات تحقیق کے بعد پتہ چلتا ہے کہ ایسی بہت ساری روایات کو علماء حدیث نے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے (جیسا کہ آئندہ صفحات میں ایسی بہت سی روایات ذکر کی گئی ہیں) یا بعض اوقات کسی ضعیف حدیث میں اس قدر شدید ضعف ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اُس حدیث کو بیان کرنا جائز نہیں ہوتا، لہذا اس قدر تساہل کو بھی بلا شبہ تفریط کی حدود میں داخل ہو جانے کی وجہ سے درست نہیں کہا جاسکتا۔

صحیح اور مبنی بر اعتدال مذہب یہ ہے کہ فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب میں صرف وہ روایات بیان کی جاسکتی ہیں، جن میں مندرجہ ذیل تین شرائط پائی جائیں۔

ضعیف احادیث بیان کرنے کی شرائط

(۱) حدیث کا ضعف شدید نہ ہو، مثلاً کوئی حدیث تنہا ایک ایسا راوی روایت کرے، جو کذاب ہو یا متہم بالکذب ہو۔

(۲) حدیث کا مضمون شریعت کے ثابت شدہ اصول میں سے کسی اصل کے تحت داخل ہو۔

(۳) اس حدیث پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا یقین نہ ہو بلکہ احتیاط کا لحاظ ہو، تاکہ کہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف غلط نسبت نہ ہو۔[۱]

لہٰذا اس کتاب میں اُن احادیث کی نشاندہی کی گئی ہے، جو کہ فضائل و مواعظ کے حلقوں میں بکثرت بیان کی جاتی ہیں، حالانکہ وہ ضعیف احادیث کی مندرجہ بالا شرائط پر پوری نہیں اترتی، بلکہ موضوع کی حد میں داخل ہو کر ناقابل عمل و ناقابل روایت ہو جاتی ہے۔ اُن احادیث کو ذکر کرنے سے پہلے اُن کی مناسبت سے حدیثِ موضوع کی تعریف اور اس کی علامات وغیرہ کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

---

(۱) درس ترمذی: ۱۰۹/۳، بحوالہ تدریب الراوی اور القول البدیع۔

باب اول

حدیث موضوع

- حدیث موضوع کی تعریف
- حدیث موضوع کی علامات
- موضوع احادیث کو روایت کرنے کا حکم
- حدیث گھڑنے کے اسباب

باب اول

حدیث موضوع

فصل (۱) حدیث موضوع کی تعریف:

حدیث موضوع اس حدیث کو کہا جاتا ہے، جو آپ ﷺ سے کسی درجہ میں بھی ثابت نہ ہو، بلکہ خود ساختہ اور من گھڑت ہو۔ اکثر علماء علمِ حدیث نے حدیثِ موضوع کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ سے کی ہے:

"الحديث المختلق الموضوع المكذوب على رسول الله ﷺ عمداً أو خطاءً"۔[۱]

ترجمہ: حدیثِ موضوع اُس حدیث کو کہا جاتا ہے جو من گھڑت اور خود ساختہ ہو اور جان بوجھ کر یا غلطی سے آپ ﷺ کی طرف اس کی جھوٹی نسبت کی گئی ہو۔

---

(۱) ملاحظہ ہو، تدریب الراوی: ۱/۳۲۳

علوم الحديث لابن الصلاح: ص۸۹

فتح المغيث بشرح ألفية العراق ۱/۳۱۰۔

فصل (۲) حدیثِ موضوع کی علامات:

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے رسول اللہ ﷺ کو جوامع الکلم عطا فرمائے ہیں اور بلاشک وشبہ آپ ﷺ تمام عالم عرب میں سب سے زیادہ فصیح اللسان اور بلیغ کلام کے مالک تھے۔ اس بدرجہ اتم فصاحت وبلاغت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے کلام کو وحی کی حیثیت بھی حاصل تھی، اس لیے آپ ﷺ کی واقعی بیان کردہ احادیث اور آپ ﷺ کی طرف منسوب دیگر لوگوں کی من گھڑت روایات میں محض ظاہری الفاظ کے اعتبار سے بھی زمین وآسمان کا فرق موجود ہے۔ جس کی وجہ سے علمِ حدیث کے ماہرین اور محققین کو سند کی تحقیق کے بغیر بھی محض ظاہری الفاظ سے ہی حدیث اور غیر حدیث کا اندازہ ہوجاتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن القیمؒ سے کسی نے سوال پوچھا، کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کسی حدیث کی سند دیکھے بغیر یہ معلوم ہوجائے کہ یہ حدیث موضوع ہے؟ تو اس کے جواب میں علامہ ابن القیمؒ نے فرمایا:

"فهذا سؤال عظيم القدر، وإنما يعرف ذلك من تضلع في معرفة السنن الصحيحة، واختلطت بلحمه ودمه، وصار له فيها ملكة، وصار له إختصاص شديد بمعرفة السنن

والآثار، ومعرفة سيرة رسول الله ﷺ وهديه، فيما يأمر به وينهى عنه... بحيث كأنه مخالط للرسول ﷺ كواحد من أصحابه"۔[1]

یعنی بغیر سند کے حدیث کی اس طرح کی معرفت صرف اس شخص کے لیے ممکن ہے کہ فنِ حدیث جس کا اوڑھنا بچھونا ہو، اور علمِ حدیث اس کے رگ وپے میں سرایت کر چکا ہو۔ قدم قدم پر حضور ﷺ کی سیرت واقوال کی تلاش اور زندگی کے ہر شعبے میں آپ ﷺ کی پیروی کرنے میں گویا وہ شخص آپ ﷺ کے صحابہؓ کی مانند ہو چکا ہو (تو ایسا شخص بغیر کسی تحقیق کے حدیث اور غیر حدیث میں تمیز کر سکتا ہے۔)

اس کے علاوہ ائمہ حدیث نے راویوں کی تحقیق اور سند کی تفتیش سے قطع نظر کچھ ایسے قرائن اور چند علامات مقرر کی ہیں، جن کی وجہ سے حدیث کے موضوع اور غیر موضوع ہونے کو بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے تقریباً انیس ضابطے مقرر کیے ہیں، جن کی بنیاد پر حدیثِ موضوع کی پہچان کی جا سکتی ہے۔

---

(۱) المنار المنیف: ص۴۴

مثلاً کوئی حدیث ایسی ہو جو کہ انبیاء کرام کے کلام کے مشابہ اور ان کی شان کے لائق ہی نہ ہو، تو ایسی حدیث سید الانبیاء ﷺ کا کلام کیونکر ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک موضوع حدیث ہے:۔

"النظر إلى الوجه الحسن يجلو البصر"۔

ترجمہ: حسین چہرے کو دیکھنے سے نظر تیز ہوتی ہے۔

یا کوئی حدیث ایسی ہو، جس کے الفاظ ہی ایسے رکیک ہوں، جن سے فوراً پتہ چل جاتا ہو کہ یہ آپ ﷺ کی حدیث نہیں ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کے ارشادات تو جوامع الکلم ہیں۔

یا کوئی حدیث ایسی ہو، جو قرآن کریم کی صریح آیات کے مخالف ہو یا سنت متواترہ کے مخالف ہو۔[1]

اسی طرح ملا علی قاریؒ نے حدیث کے موضوع ہونے کے چند قواعد ذکر کیے ہیں۔[2]

حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے علامہ ابن الجوزیؒ کے حوالے سے حدیث موضوع کی مختصر، مگر جامع پہچان اور علامت ذکر کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

---

(۱) ان ضوابط کی مزید تفصیل اور ان کی مثالوں کے لیے ملاحظہ کریں: المنار المنیف، ص ۴۳ تا ۱۰۶، فصل ۵ تا فصل ۲۶۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیں: الموضوعات الکبریٰ: از ص ۲۹۸ تا ۳۳۵

"إذا رأيت الحديث يباين المعقول أو يخالف المنقول أو يناقض الأصول ، فاعلم أنه موضوع"۔[1]

یعنی جب کوئی حدیث عقل یا نقل کے خلاف ہو یا اصول کے مخالف ہو۔(اصول کے مخالف ہونے کی تشریح خود علامہ سیوطیؒ نے ہی کی ہے کہ اصول کے مخالف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حدیث، مشہور کتبِ حدیث اور مسانید وغیرہ سے خارج ہو)تو جان لو کہ وہ حدیث موضوع ہے۔

تاہم یہ واضح رہے کہ ان اصول وعلامات کے باوجود کسی حدیث پر ضعف یا موضوع ہونے کا حکم لگانا ہر کس وناکس کا کام نہیں ہے۔ بلکہ یہ انتہائی مشکل اور بہت نازک کام ہے،جس کے لیے علم حدیث میں انتہائی وسیع اور عمیق نظر کی ضرورت ہے۔

پانچویں صدی ہجری کے بہت سے محققین اور علمِ حدیث کے نامور علماء مثلاً علامہ ابن حجرؒ، حافظ سخاویؒ،علامہ سیوطیؒاور ملا علی قاریؒوغیرہ نے حدیث کی تصحیح وتضعیف کا کام کیا ہے۔ذخیرہ حدیث پر ان

---

(۱) تدریب الراوي:ص۳۲۷

حضرات کی عمیق نظر اور راویوں کے حالات سے مکمل واقفیت کی بنا پر احادیث کے بارے میں ان کی تحقیق کو علماء امت نے معتبر سمجھا ہے۔ اوران کی تصحیح وتضعیف کو قبول کیا ہے، لہذا اس کتاب میں بھی موضوع احادیث ذکر کرنے میں انہی حضرات کے اقوال کا سہارا لیا گیا ہے۔ اور اپنی طرف سے کوئی بھی رائے قائم کرنے سے اجتناب کیا گیا ہے۔

فصل ۳

موضوع احادیث بیان کرنے کا حکم

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ کی طرف منسوب کر کے کوئی بات بیان کرنا انتہائی ذمہ داری اور احتیاط کا کام ہے۔ اور اس میں ذرا سی کوتاہی یا بے احتیاطی کی وجہ سے انسان انتہائی سخت وعید کا مصداق بن سکتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

"إن كذبا عليّ ليس ككذب على أحدكم، فمن كذب عليّ متعمدا فليتبوأ مقعده من النار"(۱)

ترجمہ: مجھ پر جھوٹ بولنا عام لوگوں پر جھوٹ بولنے کی طرح نہیں ہے، پس جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا، اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

اسی وجہ سے ائمہ حدیث وعلماءِ امت کا اس پر اجماع ہے کہ کسی بھی عنوان سے آپ ﷺ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرنا جو آپ ﷺ نے نہ فرمائی ہو، حرام اور کبیرہ گناہ ہے اگرچہ کہنے والے کا مقصد نیک ہو۔

---

(۱) صحیح مسلم: ۳۲/۱

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ، امام نوویؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لا فرق في تحريم الكذب عليه ﷺ بين ما كان من الأحكام، وما لاحكم فيه كالترغيب والترهيب والمواعظ وغير ذلك، فكله حرام من أكبر الكبائر وأقبح القبائح بإجماع المسلمين الذين يعتد بهم في الإجماع۔"(۱)

یعنی مسلمانوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ احکام، ترغیب وترہیب اور مواعظ وغیرہ میں آپ ﷺ کی طرف منسوب کرکے جھوٹ بولنا، حرام اور انتہائی قبیح حرکت اور کبیرہ گناہوں میں سے بھی بڑا گناہ ہے۔

بلکہ علامہ سخاویؒ نے تو ایسے شخص کی توبہ قبول کرنے سے بھی انکار کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

"لأن الكذب عليه ﷺ ليس كالكذب على غيره من الخلق والأمم، حتى اتفق أهل

---

(۱) تحذير الخواص من أكاذيب القصاص:ص۷۰۔

البصيرة والبصائر أنه من اكبر الكبائر وصرح به غير واحد من علماء الدين وأئمته، بعدم قبول توبته۔"[۱]

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مذکورہ بالا وعیدوں کا مستحق وہی شخص ہوگا کہ جو قصداً حدیث گھڑتا ہو اور حضور ﷺ کی طرف منسوب کرتا ہو۔ جیسا کہ گزشتہ حدیث میں لفظ "متعمداً" سے واضح ہے۔

تاہم اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتا، بلکہ کسی جگہ کوئی بات بطورِ حدیث سن کر یا پڑھ کر اس کو آگے بطور حدیث بیان کرتا ہے۔ جب کہ حقیقت میں وہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہوتی ہے، تو ایسا شخص اگر چہ مندرجہ بالا وعیدوں کا مستحق نہیں بنتا، لیکن اس درجہ میں گناہ کا ارتکاب ضرور کر لیتا ہے کہ اس نے بغیر تصدیق کے محض سنی سنائی بات کو آگے بیان کیا ہے، جب کہ حدیث میں ایسے شخص کو بھی جھوٹا کہا گیا ہے۔[۲]

لہذا محض سنی سنائی بات اس وقت تک بطورِ حدیث بیان نہ کی جائے، جب تک کسی مستند طریقے سے اس کا حدیث ہونا ثابت نہ ہو۔

بالخصوص علماءِ دین اور مقتدایان ملت کو یہ روش ترک کرنی ہوگی

---

(۱) مقدمہ، المقاصد الحسنة: ص۱۸

(۲) دیکھیں مقدمہ صحیح مسلم: ۲۳/۱

کہ اپنے مواعظ اور بیانات میں بغیر تحقیق کے احادیث بیان کریں، کیوں کہ ان کے فرمودات عوام کے لیے حجت ہوا کرتے ہیں، لہذا بلا تحقیق احادیث بیان کرنا ان کی شان کے لائق ہرگز نہیں ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں:۔

"إعلم أنه ليس يسلم رجل حدث بكل ماسمع، ولا يكون إماما أبدا وهو يحدث بكل ماسمع"(۱)

ترجمہ: جان لو کہ ایسا شخص سلامت نہیں رہ سکتا، جو ہر سنی سنائی بات بیان کرے اور نہ ہی ایسا شخص مقتدا بن سکتا ہے۔

امام عبدالرحمان بن مہدیؒ سے بھی اسی طرح کا کلام منقول ہے۔(۲)

یہی وجہ تھی کہ حضرات شیخین یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ جب کسی سے کوئی نئی حدیث سنتے تو اس راوی سے اس حدیث کے ثبوت پر گواہ طلب کرتے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جب کسی سے کوئی حدیث سنتے تو اس سے اس حدیث کی صحت پر قسم لیا کرتے۔(۳)

علماءِ حدیث نے صحابہؓ میں سے خلفاءِ راشدین اور تابعین میں سے امام

---

(۱) صحیح مسلم:۱/۳۳

(۲) صحیح مسلم:۱/۳۳

(۳) الموضوعات الکبری، ص۳۲

ابو حنیفہؒ کی بہت کم احادیث روایت کرنے کا سبب اسی احتیاط کو قرار دیا ہے کہ یہ حضرات ان وعیدوں کی وجہ سے حدیث روایت کرنے میں محتاط تھے۔[1]

لہٰذا ہر شخص کو روایتِ حدیث میں احتیاط کا دامن مضبوطی سے تھامنا چاہیے اور بغیر تصدیق کے کسی روایت کو بطورِ حدیث بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

کسی حدیث کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کا شک ہونا:۔

موضوع روایات کو بیان کرنے کے بارے میں ائمہ حدیث کی رائے گزشتہ سطور میں ذکر کی گئی، اس پر اضافہ کرتے ہوئے علماءِ حدیث کے نزدیک اگر کسی شخص کو کسی بات کے متعلق حدیث ہونے کا یقین نہ ہو، بلکہ اس حدیث کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کا شک ہو اور اس کے باوجود یہ شخص اس حدیث کو روایت کرے تو ائمہ حدیث کے نزدیک یہ شخص بھی جھوٹی روایات بیان کرنے والا شمار ہوگا۔

چنانچہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

”ثم من روى عن النبي عليه الصلوة والسلام حديثاً وهو شاك فيه:أصحيح أم غير صحيح؟ يكون كأحد الكاذبين

(۱) الموضوعات الکبریٰ، ص۳۲

لقوله عليه الصلوة والسلام: فمن حدث عني حديثا وهو يرى أنه كذب حيث لم يقل: هو يستيقن أنه كذب۔"[۱]

ترجمہ: جو شخص حضور ﷺ سے کوئی حدیث روایت کرے، حالانکہ اس حدیث کے صحیح یا غیر صحیح ہونے میں (یعنی ثابت ہونے یا نہ ہونے میں) اس کو شک ہو، تو یہ شخص بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص مجھ سے کوئی ایسی حدیث روایت کرے جس کے بارے میں اس کا خیال یہ ہو کہ یہ جھوٹ ہے۔ (تو اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے) اس حدیث میں آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کو اس حدیث کے جھوٹا ہونے کا یقین ہو۔ (بلکہ اگر جھوٹ ہونے کا گمان ہو تو بھی ایسا شخص جھوٹی حدیث روایت کرنے کی وعید میں داخل ہو جاتا ہے۔)

علامہ ابن حبانؒ نے بھی ایسے شخص کو جھوٹا قرار دیا ہے، جس کو اپنی روایت کے حدیث ہونے کے بارے میں شک ہو، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

---

(۱) الموضوعات الكبرى: ص۳۱

"إن من اختلط عليه ماسمع بمالم يسمع، ثم لم يرع عن نشرها وحدث بها وهو لا يتيقن بسماعها لبالحري أن لا يحتج به في الأخبار، لأنه في معنى من يكذب وهو شاك أو يقول شيئاً وهو يشك في صدقه، والشاك في صدق مايقول، لا يكون بصادق۔"(۱)

ترجمہ: جس شخص پر اپنی سنی اور ان سنی روایات خلط ملط ہو جائیں۔ اور وہ پھر بھی ان احادیث کو پھیلانے میں احتیاط نہ کرے بلکہ ان کو بیان کرتا رہے ۔حالانکہ اس کو ان احادیث کے سماع کا یقین نہ ہو، تو ایسا شخص اس کا مستحق ہے کہ روایات کے بارے میں اس کو معتبر نہ سمجھا جائے، کیونکہ یہ شخص ایسی بات کر رہا ہے جس کے سچا ہونے میں اس کو شک ہے ،اور جس شخص کو اپنے کلام کے سچا ہونے کے بارے میں شک ہو تو اس کو سچا نہیں کہا جا سکتا۔

لہذا روایت حدیث میں ہر شخص کو انتہائی احتیاط سے کام لینا چاہیے اور ہر سنی سنائی بات کو بطورِ حدیث بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

---

(۱) المجروحين من المحدثين والضعفاء والمتروكين ۳۶۹/۱، ترجمة صالح بن أبي الأخضر۔

فصل ۴

حدیث گھڑنے کے اسباب

جب بھی کسی شخص کے سامنے کسی ایسی حدیث کے موضوع ہونے کی تحقیق سامنے آتی ہے جو کثرت سے سنی سنائی جاتی ہے، تو فطری طور پر اس کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ جب یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے تو پھر اس کو گھڑنے والا کون ہے؟ اور وہ کون سے اسباب واغراض ہیں جن کی وجہ سے حضور ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب کی گئ ہے جو آپ ﷺ نے نہیں فرمائی، حالانکہ یہ اکبرالکبائر ہے۔ اس سوال کے جواب کے طور پر محدثین اور محققین نے ایسے بہت سارے عوامل اور اسباب ذکر کیے ہیں جن کی وجہ سے بعض لوگوں نے احادیث گھڑی ہیں۔ ان میں سے چند اسباب ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(الف) بعض اوقات کچھ لوگ یا کوئی فرقہ اپنے نظریات اور باطل عقائد کی ترویج واشاعت کے لیے احادیث گھڑ لیتے تھے جو کہ ان کے نظریات کے لیے دلائل کا کام دیتے تھے، تاکہ اپنے باطل عقائد کو حدیثِ رسول ﷺ کا سہارا دے کر لوگوں کو ان پر آمادہ

کیا جائے۔ جیسے فرقہ مرجئہ، فرقہ سالمیہ اور دیگر اہل بدع۔[1]

(ب) کچھ لوگ بادشاہوں اور سلاطین کا تقرب حاصل کرنے کے لیے یا ان سے وابستہ کسی دنیوی غرض کے حصول کے لیے ان کے حالات کے موافق حدیث گھڑ لیتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر لیتے تھے، تاکہ ان کو خوش کر کے ان سے وابستہ اپنی دنیوی اغراض پوری کر سکیں۔

(ج) چند فرقے ایسے تھے، جو بعض صحابہ کرامؓ کے مناقب اور فضائل کی احادیث گھڑ لیتے تھے جیسا کہ روافض، جب کہ اس کے برعکس خوارج، بعض صحابہؓ کی شان پر تنقید کرنے والی احادیث گھڑ کر ان کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔

(د) کچھ ایسے واعظین یا قصہ گو حضرات تھے جو اپنے وعظ میں انفرادیت اور دلچسپی پیدا کرنے کے لیے ایسی انوکھی احادیث بنا لیتے تھے جو عجیب و غریب مضامین پر مشتمل ہوتیں، جس سے مقصود لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور اپنے علمی تفوق کا اظہار کرنا ہوتا تھا، کہ لوگوں کو ایسی نئی احادیث سنائیں جو انھوں نے نہ سنی ہوتی، حالانکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:۔

---

(۱) دیکھیں: الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة، مجموعہ رسائل اللكنوي: ۱۱/۵

"سيكون في آخر أمتي أناس يحدثونكم بما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم فإياكم وإياهم"(۱)

ترجمہ: عنقریب میری امت کے آخر میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو تمہیں ایسی احادیث سنائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمھارے آباء واجداد نے، پس ایسے لوگوں سے بچو۔

(ہ) کچھ ایسے کم علم یا بے علم لوگ تھے، جو بزعم خود لوگوں کو دین کی طرف راغب کرنے اور معاصی ونافرمانی سے بچانے کے لیے زہد وترکِ دنیا اور ترغیب وترہیب جیسے مضامین پر مشتمل احادیث گھڑ لیتے تھے۔ یہ لوگ اپنے اس فعل پر یہ دلیل پیش کرتے کہ حدیث میں "كذب على النبي ﷺ" کی ممانعت ہے۔ جب کہ ہمارا یہ فعل تو "كذب للنبي ﷺ" ہے یعنی ہم تو حضور ﷺ کے خلاف جھوٹ نہیں بول رہے، بلکہ ہمارا یہ فعل تو حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کی نصرت اور لوگوں کو اس کی طرف مائل کرنے کے لیے ہے۔ اس وجہ سے یہ لوگ حدیث گھڑ لیا کرتے اور اس کو کوئی گناہ نہ سمجھتے۔ چنانچہ اس قسم کا ایک واقعہ علامہ عبد الحیؒ لکھنوی نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

---

(۱) صحيح مسلم:۱/۳۳

”ابو عصمۃ نوح بن ابی مریم المروزی سے پوچھا گیا کہ آپ نے عکرمۃ عن ابن عباسؓ کی سند سے قرآن کریم کی ہر ہر سورت کے جو فضائل نقل کیے ہیں یہ روایات آپ نے کہاں سے لی ہیں؟ حالانکہ حضرت عکرمہؒ کے دیگر تلامذہ میں سے کسی نے بھی ان میں سے کوئی روایت نقل نہیں کی۔ توانہوں نے جواب دیا کہ جب میں نے یہ دیکھا کہ لوگ قرآن کریم کی طرف سے بے توجہی اختیار کر رہے ہیں اور قرآن کریم کی بجائے امام ابو حنیفہؒ کی فقہ اور ابن اسحاقؒ کی مغازی میں مشغول ہو رہے ہیں تو میں نے ثواب کی نیت سے سورتوں کے فضائل والی احادیث گھڑ لیں۔ “(تاکہ قرآن کریم کی طرف لوگوں کا رجوع زیادہ ہو)[1]

ان حضرات کی نیت اگرچہ درست تھی، لیکن طریقہ بلاشبہ غلط اور ناجائز تھا، کیونکہ کسی بھی نیت سے حدیث گھڑنا قطعًا ناجائز ہے اور ”فليتبوأ مقعده من النار“ کی وعید کا مصداق ہے۔

مندرجہ بالا اسباب کی مزید تفصیل مع واقعات اور مثالوں کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔

(١) كشف الخفاء ومزيل الإلباس:٢/٤٩٩۔

(٢) الآثار المرفوعة في الاحاديث الموضوعة: ص٧تا ص١٤۔

(٣) الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة، ص٥٠٩۔

(٤) الوضع في الحديث النبوي: ص٦٦ تا ص١٠٢۔

---

(١) الأحاديث المرفوعة في الأخبار الموضوعة: ١١/٥

ان تمام اسباب کے باوجود چونکہ دینِ اسلام نے قیامت تک باقی رہنا ہے ،اس لیے اللہ تعالیٰ نے دینِ متین کو اپنی صحیح اور اصلی شکل میں محفوظ رکھنے اور اس کو خلط ملط ہونے سے بچانے کے لیے فنِ جرح وتعدیل کے ماہرین کی شکل میں ایسی عظیم المرتبت شخصیات پیدا کیں، جنہوں نے فنِ جرح وتعدیل کے میزان اور کسوٹی پر ہر ہر حدیث کو پرکھ کر ذخیرہ احادیث میں سے ایسی تمام روایات کو علیحدہ کر کے رکھ دیا اور آپ ﷺ کے مبارک کلام کو ہر قسم کی آمیزش سے محفوظ کر دیا۔

فجزاهم الله خيرا۔

آئندہ سطور میں انہی مستند اور معتدل اہلِ علم حضرات کے اقوال کی روشنی میں ان روایات کو ذکر کیا گیا ہے جو کہ مختلف حلقوں میں کثرت سے سنی سنائی جاتی ہیں، لیکن ائمہ حدیث ورجال سے مراجعت کے بعد پتہ چلتا ہے کہ ان کی نسبت حضور ﷺ کی طرف درست نہیں ہے۔

ان روایات کو چار ابواب اور ذیلی فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب دوم

ایمانیات

(ا) اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق موضوع روایات

(ب): انبیاء کرام علیہم السلام سے متعلق موضوع روایات

(ج): ملائکہ سے متعلق موضوع روایات

(د): قیامت سے متعلق موضوع روایات

فصل اول

اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق موضوع روایات

حدیث نمبر ۱: ”کن فیکون “

”سمعت الله من فوق العرش يقول للشيء ”كن فيكون، فلا تبلغ الكاف النون إلا يكون الذى يكون۔“

جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا حکم دیتے ہیں کہ ”ہو جا“ تو لفظ ”کن“ کے کاف اور نون کے آپس میں ملنے سے پہلے وہ کام ہو جاتا ہے۔

(حدیث کا وہ ترجمہ کیا گیا ہے جو عام طور پر مشہور ہے۔)

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے، اس روایت کے بارے میں مشہور محدث ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

”موضوع بلا شك “[1]

یعنی یہ روایت بلاشک وشبہ من گھڑت ہے۔

اس کے علاوہ حافظ جلال الدین سیوطیؒ، علامہ اسماعیل عجلونیؒ اور

---

(۱) المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، ص ۱۲۵، رقم : ۲۰۲۔

علامہ شوکانیؒ نے بھی اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔[1]

علامہ ذہبیؒ اس حدیث کو سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"هذا حديث باطل ، واحمد المكي كذاب ،

رؤيته للتحذير منه"[2]

یعنی یہ حدیث باطل اور غلط ہے اور اس کا راوی احمد مکی جھوٹا ہے اور میں نے اس سے خبردار کرنے کے لیے اس کی یہ روایت نقل کی ہے۔

حدیث نمبر۲: اپنے نفس کی پہچان سے رب کی پہچان

"من عرف نفسه فقد عرف ربه"

ترجمہ: جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

اس روایت کے بارے میں حافظ سخاویؒ، ابن السمعانیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ روایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے، بلکہ یہ درحقیقت یحییٰ بن معاذ رازیؒ کا قول ہے۔[3]

---

(۱) بالترتیب دیکھیں: ذيل اللآلي المصنوعة ، ص: ۳
كشف الخفاء ومزيل الإلباس ، رقم: ۱۴۸۵، ۵۱۸/۱
الفوائد المجموعة في الاحاديث الضعيفة والموضوعة ، رقم : ۱۲۸۳/۲۰

(۲) تنزيه الشريعة المرفوعة : ۱/۱۴۸۔

(۳) المقاصد الحسنه ، رقم : ۱۱۴۹، ص ۴۶٦۔

اسی طرح مشہور محدث ملا علی قاریؒ، علامہ نوویؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"انه ليس بثابت_ يعني عن النبي ﷺ"(۱)

یعنی یہ روایت حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

اس کے علاوہ دیگر محدثین مثلاً علامہ عجلونیؒ، علامہ جلال الدین سیوطیؒ اور شیخ محمد القاوقجیؒ نے بھی اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔(۲)

حدیث نمبر ۳: موضوع حدیث قدسی

"كنت كنزاً مخفياً فأحببت أن أعرف فخلقت خلقاً"

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ اپنا تعارف کرواؤں تو میں نے مخلوقات پیدا کیں۔

یہ حدیث شہرہ آفاق مفسرِ قرآن علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں آیت: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا

---

(۱) الموضوعات الكبرى، ص ۲۳۸، رقم : ۹۳۷۔

(۲) بالترتیب دیکھیں:۔ كشف الخفاء جلد :۲، رقم :۲۰۳۲، ص ۳۰۹

تدريب الراوي جلد ۲/۱۷۵

اللؤلؤ المرصوع، رقم :۵۹٤، ص ۱۹۱

لِيَعْبُدُوْنَ﴾[1] کے تحت ذکر کی ہے اور اس روایت کو ائمہ حدیث حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، امام زرکشیؒ اور حافظ ابن تیمیہؒ کے حوالے سے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

”وقد جاء ”كنت كنزا مخفيا فأحببت أن أعرف فخلقت الخلق لأعرف“ذكره بهذا اللفظ سعد الدين سعيد الفرغاني في منتهى المدارك... وتعقبه الحفاظ فقال ابن تيميه رحمه الله إنه ليس من كلام النبي ﷺ ولا يعرف له سند صحيح ولا ضعيف، وكذا قال الزركشي رحمه الله والحافظ ابن حجر رحمه الله وغيرهما۔“[2]

علامہ آلوسیؒ مزید لکھتے ہیں کہ یہ روایت جن صوفیاء کرام نے نقل کی ہے وہ خود بھی اس کے معترف ہیں کہ یہ روایت آپ ﷺ سے منقول نہیں ہے، بلکہ یہ ان کا کشف ہے۔[3]

اس کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث مثلاً ملا علی قاریؒ، حافظ سخاویؒ، علامہ ابنِ عرّاقؒ اور حافظ عجلونیؒ نے بھی اس حدیث کو موضوع اور من

(۱) الذاريات :٥٦ ـ

(۲) روح المعاني :٢١/٢٧۔

(۳) روح المعانی،٢١/٢٧۔

گھڑت قرار دیا ہے۔[1]

حدیث نمبر ۴: اللہ تعالیٰ کا مؤمن بندے کے دل میں سما جانا۔

"ما وسعني أرضي ولا سمائي ولكن وسعني قلب عبدي المؤمن۔"

(اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) میں نہ زمین میں سما سکتا ہوں اور نہ آسمان میں، لیکن میں اپنے مؤمن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں۔

اس روایت کے بارے میں ملا علی قاریؒ، علامہ زرکشیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"وضعته الملاحدة ۔"[2]

یعنی یہ ملحدین کی گھڑی ہوئی روایت ہے۔

علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث عوام کے سامنے "علی بن وفا

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:۔ المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، رقم:۲۳۲،ص:۱۴۱
المقاصد الحسنة،ص:۳۳٤، رقم:۸۳۸
تنزيه الشريعه المرفوعة: ۱/۱٤۸
كشف الخفاء:۲/۱۵۵،رقم :۲۰۱٦

(۲) الموضوعات الكبرى، رقم: ۸۱۰، ص:۲۰٦
المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، ص:۱٦٤،رقم: ۲۹۳

"نامی شخص اپنی اغراض کے حصول اور باطل مقاصد کی تکمیل کے لیے روایت کرتا تھا اور جب وہ وجد میں آکر رقص شروع کرتا تو اپنے دل کی طرف اشارہ کرکے کہتا کہ اپنے رب کے گھر کا طواف کرو۔"(۱)

تاہم علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ اس مفہوم سے ملتی جلتی یہ روایت معجم طبرانی میں موجود ہے۔

"إِنَّ لِلّٰهِ آنِيَةَ من أهل الأرض وآنية ربكم قلوب عباده الصالحين وأحبها اليه ألينها وأرقها۔"(۲)

ترجمہ: بلاشبہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے کچھ ٹھکانے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہ ٹھکانے اس کے نیک بندوں کے دل ہیں۔ اوران میں بھی اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند، وہ دل ہیں جو زیادہ نرم اور رقیق ہیں۔

الحاصل یہ مفہوم تو ثابت ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کا مسکن ہے، تاہم مندرجہ بالا الفاظ جو عوام میں معروف ہیں وہ من گھڑت اور موضوع ہیں۔

---

(۱) المقاصد الحسنة،ص:۳۸۰،رقم:۹۹۰

(۲) المقاصد الحسنة ،ص۳۸۰،رقم ۹۹۰

حدیث نمبر۵: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرنا:۔

اللہ تعالیٰ کی شفقت ورحمت بیان کرتے ہوئے عموماً یہ بات بطورِ حدیث بیان کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

اگرچہ اپنے معنیٰ اور مفہوم کے اعتبار سے یہ درست ہے تاہم یہ بات کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اپنے بندوں سے محبت ہر چیز سے زیادہ ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

"وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ"(۱)

اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سو حصے ہیں جن میں سے اللہ تعالیٰ نے صرف ایک حصہ جن وانس اور جانور وحشرات کے مابین اُتارا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ مخلوقات آپس میں نرمی اور مہربانی کا معاملہ کرتی ہیں اور اسی ایک حصہ رحمت کی وجہ سے وحشی جانور بھی اپنے بچے سے محبت

---

(۱) الاعراف: ۱۵۶۔

کرتے ہیں اور رحمت کے باقی ننانوے حصے اللہ تعالیٰ نے آخرت کے لئے محفوظ کر رکھے ہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائیں گے۔[1]

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اپنے بندوں سے محبت کی کوئی انتہاء نہیں اور اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے محبت اور ماؤں کا اپنی اولاد سے محبت میں کوئی تناسب نہیں لہٰذا اِس بات کو بطورِ حدیث بیان کرنا درست نہیں۔

حدیث نمبر۶: ایک تیری چاہت ہے ایک میری چاہت ہے

ایک مشہور حدیثِ قدسی ہے جو عموماً مندرجہ ذیل طریقے سے بیان کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"اے ابنِ آدم! ایک تیری چاہت ہے ایک میری چاہت ہے۔ تو وہ کر جو میری چاہت ہے تو میں وہ پورا کر دوں گا جو تیری چاہت ہے۔ اور اگر تو نے وہ نہ کیا جو میری چاہت ہے تو میں تجھے تھکا دوں گا اُس میں جو تیری چاہت ہے۔ اور ہو گا وہی جو میری چاہت ہے"۔

اہلِ علم نے اِس روایت کو حدیثِ قدسی کے طور پر بیان کرنے

---

(۱) صحیح مسلم، باب فی سعة رحمة الله تعالیٰ: رقم الحدیث: ۲۷۵۲

سے منع کیا ہے۔ چنانچہ اِس روایت کے بارے میں دار العلوم کراچی سے صادر ہونے والے فتویٰ میں حدیث کے طور پر اسے نقل کرنے کو ناجائز کہا گیا ہے۔ چنانچہ اُن کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

فتویٰ

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم!

حضرت ایک حدیث قدسی جو کہ بہت مشہور ہے اس کا حوالہ کتبِ حدیث سے درکار ہے آپ کی نوازش ہوگی:۔

"اے ابنِ آدم ایک میری چاہت ہے اور ایک تیری چاہت ہے، ہوگا تو وہی جو میری چاہت ہے۔ پس اگر تو نے سپرد کر دیا اُس کے جو میری چاہت ہے تو میں تجھے وہ بھی دوں گا جو تیری چاہت ہے اور اگر تو نے مخالفت کی اُس کی جو میری چاہت ہے تو میں تجھے تھکا دوں گا اُس میں جو تیری چاہت ہے۔ اور ہوگا وہی جو میری چاہت ہے"۔

آپکا احسان مند:۔ احمد مہر زبیری مسقط، عمان۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجَوَابُ حامدًا ومُصَلّیًا

تتبع اور تلاش بسیار کے بعد مذکورہ روایت کتب حدیث میں سے ایک کتاب "نوادر الاصول" للحکیم الترمذی، (المتوفیٰ بین ۲۸۵ھ – ۲۹۰ھ) میں ملی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"حدثنا عمر بن ابی عمر قال حدثنا عبدالوهاب بن نافع، عن مبارك بن فضالة، عن الحسن قال: قال الله تبارك وتعالیٰ: يا داود تريد وأريد، ويكون ما أريد، فإذا أردت ما أريد، كفيتك ما تريد ويكون ما أريد، واذا أردت غير ما أريد، عنيتك فيما تريد ويكون ما أريد"۔[1]

ترجمہ:۔ "حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: اے داود! ایک آپ کی چاہت ہے، ایک

(۱) نوادر الاصول في حديث الرسول، ص: ۵۱۲، مكتبة الإمام البخاري، القاهرة۔

میری چاہت ہے، ہوگا تو وہی جو میری چاہت ہے، تو اگر آپ اپنی چاہت کو میری چاہت کے لئے قربان کردیں تو میں آپ کی چاہت کے لئے کافی ہوجاؤں گا، اور ہونا تو وہی ہے جسے میں چاہتا ہوں، اور اگر میری مرضی خلاف کچھ چاہیں تو میں آپ کو اُس چاہت میں تھکادوں گا، اور ہوگا پھر بھی وہی جو میری چاہت ہے"۔

مگر یہ وضاحت ضروری ہے کہ کسی حدیث کے قدسی شمار کیئے جانے کی شرائط میں سے ہے، کہ وہ بات حق تعالیٰ کے کلام کے طور پر رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو، لیکن اس طریق میں مذکورہ فقرہ رسول اللہ ﷺ سے نقل نہیں کیا گیا بلکہ حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے، اس لئے اس فقرہ کو حدیث قدسی نہیں مانا جاسکتا ہے، مزید یہ کہ حضرت حسن بصریؒ تک کی سند بھی انتہائی کمزور ہے جس میں تینوں راوی متکلم فیہ ہیں، اس وجہ سے اس روایت کا ان سے ثابت ہونا بھی محل نظر ہے۔

البتہ یہ روایت سند کے بغیر بعض شروح حدیث اور کتبِ زہد وتصوف میں مذکور ہے جیسے:۔

ابوطالب مکی (المتوفی ۳۸۶ھ) کی قوت القلوب ۲/ ۱۴۔

امام غزالی (المتوفی ۵۰۵ھ) کی احیاء علوم الدین ۴/ ۳۴۶۔
ملا علی قاری (المتوفی ۱۰۱۴ھ) کی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ۴/ ۱۵۶۶۔ وغیرہ۔ لیکن اس کی بنیاد پر اس روایت کے ضعف کا ازالہ نہیں ہوگا، خاص طور پر اس وجہ سے کہ یہ مصنفین حکیم ترمذیؒ سے متأخر ہیں، اور ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے حکیم ہی کی روایت کو حوالہ دیئے بغیر نقل کیا ہے۔
اب چونکہ اس روایت میں حدیث کے قدسی ہونے کی شرائط پوری نہیں ہیں، اور ایک کمزور اور غیر معتبر طریق سے مروی ہے، اس لئے اس کو ثابت حدیث قدسی سمجھ کر نقل کرنا درست نہیں ہے۔ البتہ مذکورہ متأخرین مشائخ کا اس عبارت کو ذکر کرنا اس کے معنٰی کے صحیح ہونے کی علامت ہے، اس لئے اس کے مفہوم کو ان ہی حضرات کی نسبت سے ذکر کیا جاسکتا ہے مگر حدیث کے طور پر اس کا نقل کرنا جائز نہیں۔
في منهج النقد في علوم الحديث للدكتور نور الدين عتر (۱-۳۲۳) "الحديث القدسي: هو ما اضيف الى رسول الله ﷺ وأسنده الى ربه عز وجل مثل: قال رسول الله ﷺ فيما يروي عن ربه، او، "قال الله تعالىٰ فيما رواه عنه

رسول الله ﷺ، ويقال له ايضًا: الحديث الالٰهي او الرباني“ انتهى كلام الشيخ عتر۔

الكلام علىٰ اسناد هذه الرواية

(۱) روى الحكيم هذه الرواية عن شيخه عمر بن ابي عمر وهو غير عمر بن أبي عمر مولىٰ عبد الله بن طاووس كما في ”المتفق والمفترق“ للخطيب البغدادي (۱٦۱۰/۳) فالأول بلخي، أكثر عنه الحكيم ولا يعرف عنه كثير شيءٍ ووهاه الحافظ في الفتح والأخير هو عمر بن رياح بصري، وهو متروك كذبه بعضهم كما في التقريب وسوى بينهما رجال فاقتضي التنبيه۔

(۲) ورواها عمر بن أبي عمر عن عبدالوهاب بن نافع وهو واه، منكر الحديث، يضع الأسانيد۔ قال سبط ابن العجمي في الكشف الحثيث (۱۷۷/۱): ”عبدالوهاب بن نافع العامري المطوعي عن مالك ووهاه الدار قطني وغيره وقال الذهبي ألصق بمالك عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما مرفوعًا لا تكرهوا

مرضاكم على الطعام فإن الله تعالىٰ مطعمهم۔ انتهى فهذا وضع سندًا وقد تقدم أنه وضع ولكنه اخف من وضع المتن" اه

(۳)وروى ابن نافع عن مبارك بن فضالة وهو صدوق يدلس ويسوي كما في التقريب، ولم يصرح ههنا بالسماع عن الحسن وعلى تقدير صحته عن الحسن لم يصح اطلاق القدسيةعليه لأنه عن الحسن غيرمرفوع، والأقرب في مثل هذه الأخبار أنها متلقاة من أهل الكتاب مما وجد في صحفهم۔ والله تعالىٰ اعلم
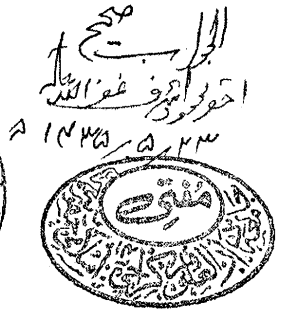
لہٰذا یہ روایت کسی بزرگ کا قول تو ہو سکتا ہے لیکن اس کو حدیثِ قدسی کے طور پر بیان کرنا جائز نہیں۔

فصل دوم

انبیاء کرام علیہم السلام سے متعلق روایات

حدیث نمبرا: موضوع حدیثِ قدسی:

"لولاك ماخلقت الأفلاك ۔"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے ، تو میں اس کائنات کی تخلیق نہ کرتا۔

اس حدیث کو حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی ؒ[1] اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ[2] نے موضوع قرار دیا ہے۔

تاہم اکثر محدثین نے اس حدیث کے معنی و مفہوم کو درست اور ثابت قرار دیا ہے ، جن میں ملا علی قاری ؒ، حافظ عجلونی ؒ اور علامہ قاوقجی ؒ شامل ہیں۔[3]

ملا علی قاری ؒ نے اس مفہوم کی ایک مرفوع روایت بھی ذکر کی ہے ،

---

(۱) فتاوی عزیزی : ۱/۱۲۲

(۲) امداد الفتاوی : ٤ /٧٩

(۳) بالترتیب دیکھیں:
الموضوعات الکبریٰ ، ص :١٩٤، رقم :٧٥٥
کشف الخفاء ، ج٢، رقم : ٢١٢٣، ص : ١٩١
اللؤلؤالمرصوع رقم : ٤٥٢، ص ١٥٤

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"قال الصغاني إنه موضوع، كذا في الخلاصة، لكن معناه صحيح، فقد روى الديلمي عن ابن عباس رضؓ مرفوعاً، أتاني جبريل فقال يا محمد: لولاك ما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار۔"[۱]

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے، چنانچہ انہوں نے کہا کہ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اے محمد ﷺ اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت اور جہنم پیدا نہ کرتا۔

حدیث نمبر ۲: "ہر نبی کو چالیس برس میں نبوت ملنا"

"ما من نبيّ نبّئ إلا بعد الأربعين"

ترجمہ: ہر نبی کو چالیس برس کے بعد ہی نبوت ملی ہے۔

اس حدیث کا معنی و مفہوم بھی لوگوں میں مشہور و معروف ہے کہ ہر نبی کو چالیس برس کے بعد نبوت عطا کی گئی ہے حالانکہ محدثینؒ نے اس کو موضوع اور نفس الامر کے خلاف قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے

(۱) الموضوعات الكبرى، ص ١٩٤، رقم :٧٥٥

اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔[۱]

حافظ سخاویؒ اس حدیث کے متعلق علامہ ابن الجوزیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

"إنه موضوع، لأن عيسیٰ عليه السلام نبئ ورفع إلى السماء وهو إبن ثلاثة وثلاثين سنة ، فإشتراط الأربعين في حق الأنبياء ليس بشيءٍ۔[۲]

ترجمہ: یہ روایت من گھڑت ہے، کیونکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس برس کی عمر میں آسمان پر اٹھالیا گیا تھا، جب کہ اس واقعے سے پہلے ان کو نبوت مل چکی تھی ۔لہذا انبیاء کرام کی نبوت کے لیے چالیس برس کو شرط قرار دینا درست نہیں۔

اسی طرح ملا علی قاریؒ نے بھی اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اور اس کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ یہ حدیث قران کریم کی ان آیات کے خلاف ہے، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا یحیٰ علیہ السلام کو بچپن ہی میں نبوت مل گئی تھی۔[۳]

---

(۱) الدرر المنتثرة ، رقم :۳۶۰۔

(۲) المقاصد الحسنة ، رقم :۹۸۵،ص:۳۷۸۔

(۳) الموضوعات الكبرى، رقم :۸۰۸، ص :۲۰۵

حدیث نمبر ۳: عقل کے سو حصوں میں سے ننانوے حصے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے

"خلق الله العقل، فقال له "أدبر" فأدبر ثم قال له: "أقبل" فأقبل، ثم قال: ماخلقت خلقاً أحب إلي منك، فأعطى الله محمدا ﷺ تسعة وتسعين جزءًا، ثم قسم بين العباد جزءًا واحداً"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے عقل کی تخلیق کی، پھر اس کو حکم دیا کہ پیچھے ہو جا، تو وہ پیچھے ہو گئی، پھر اس کو حکم دیا: آگے ہو جا! تو وہ آگے ہو گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں سے ننانوے حصے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیے اور ایک حصہ باقی بندوں میں تقسیم کیا۔

اس حدیث کے بارے میں مشہور محدث ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

"انه كذب موضوع اتفاقا" (۱)

یعنی یہ حدیث بالاتفاق جھوٹی اور من گھڑت ہے۔

ان کے علاوہ حافظ ابن حجرؒ اور ان کے شاگرد علامہ سخاویؒ نیز حافظ

---

(۱) المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، رقم: ۴۸، ص:۶۲

جلال الدین سیوطیؒ، حافظ ابن قیمؒ اور علامہ عجلونیؒ جیسے بلندپایہ محدثین نے بھی اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ (۱)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مندرجہ بالا ائمہ حدیث نے اس روایت کا پہلا حصہ یعنی "لما خلق الله العقل" سے لے کر "أحب إليّ منك" تک نقل کرکے اس حصے کو موضوع قرار دیا ہے، جبکہ روایت مذکورہ کا وہ حصہ جو زیادہ مشہور ہے (یعنی عقل کے سو حصوں میں سے ننانوے حصے حضور ﷺ کو دیئے گئے اور ایک حصہ باقی لوگوں پر تقسیم کیا گیا) حدیث کے اس ٹکڑے کو مندرجہ بالا ائمہ میں سے کسی نے بھی ذکر نہیں کیا۔ حتیٰ کہ علامہ سیوطیؒ نے اس روایت کے تمام طرق ذکر کیے ہیں، لیکن کسی طریق میں بھی یہ دوسرا حصہ مذکور نہیں ہے، روایت کا یہ حصہ صرف مشہور شیعہ مصنف باقر مجلسی نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ (۲)

تاہم روایت کا یہ حصہ بھی پہلے حصے کی طرح موضوع اور من

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:

فتح الباري: ٦/٣٣٤

المقاصد الحسنة، رقم: ٢٣٣، ص: ١٢٥،

اللآلی المصنوعة: ١/١٢٩،

المنار المنيف، رقم: ١٢٠، ص: ٦٦،

كشف الخفاء، رقم: ٧٢٣، ص: ٢٧١

(۲) بحار الانوار، باب حقيقة العقل وكيفيته وبدوخلقه: ١/٩٧۔

گھڑت ہے کیونکہ عقل کے بارے میں جتنی بھی روایات ہیں ان جملہ روایات کے بارے میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

"أحاديث العقل كلها كذب "[1]

یعنی عقل والی تمام روایات جھوٹی ہیں۔

نیز اگرچہ باقر مجلسی نے اس ٹکڑے کو اپنی سند کے ساتھ نقل بھی کیا ہے، لیکن باقر مجلسی کا غلو پر مبنی رفض و تشیع بھی قطعاً ان سے روایت لینے کی اجازت نہیں دیتا۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ روافض کی روایت کے بارے میں حافظ سیوطیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

"وأما البدعة الكبرىٰ كالرفض الكامل، والغلو فيه والحط عن الشيخين ۔ ابی بكر وعمررضی الله عنهما۔فلا۔ ولا كرامة۔ لا سيما ولست أستحضرالآن من هذا الضرب رجلا صادقا ولا مأمونا ، بل الكذب شعارهم والنفاق والتقية دثارهم فكيف يقبل من هذا حاله"[2]

ترجمہ: اور اگر کسی راوی میں بدعت کبریٰ پائی جائے، جیسے

(۱) الموضوعات الكبرىٰ ، ص:۱۷

(۲) مقدمة فتح الملهم ، روايات أهل البدع والأهواءِ : ص :۱۷۲

کوئی راوی غالی رافضی اور شیعہ ہو اور حضرات شیخین یعنی
حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو ان کے
مقام سے نیچے دکھانے کی کوشش کرتا ہو، تو ان کی روایت
قابل قبول نہیں، کیونکہ ابھی تک میں نے اس قبیل کے
لوگوں میں کسی کو صادق اور امین نہیں پایا ہے بلکہ جھوٹ،
منافقت اور تقیہ ان کا اوڑھنا بچھونا ہے تو ایسے شخص کی
روایت کیونکر قبول کی جاسکتی ہے؟

لہذا محض اس سند سے مروی اس روایت کو بیان کرنا درست نہیں،
بالخصوص جب کہ دیگر محدثین اس کو موضوع بھی قرار دے چکے ہیں۔

حدیث نمبر ۴: بچے کا نام محمد رکھنے کی نیت کرنے سے لڑکا پیدا ہونا:۔

"ما من مسلم دنا من زوجته وهو ينوي
إن حبلت منه أن يسمّى محمداً إلا رزقه
الله ولدًا ذكراً ۔"

ترجمہ: جو مسلمان اپنی بیوی سے صحبت کرے اور یہ نیت
کرے کہ اگر اس صحبت سے حمل ٹھہر گیا، تو اس کا نام محمد
رکھے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کو نرینہ اولاد عطا فرمائیں گے۔

اس روایت کو ملا علی قاریؒ اور علامہ محمد بن خلیل القاوقجی الطرابلسیؒ نے موضوع قرار دیا ہے۔[1]

حافظ ذہبیؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"حديث موضوع وسنده مظلم"[2]

نیز علامہ جلال الدین سیوطیؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"لا يصح"[3]

یعنی یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

فائدہ:

واضح رہے کہ ایسی کتب جن میں مصنفین نے صرف موضوع یا ضعیف روایات جمع کرنے کا التزام کیا ہو، ان میں جب کسی حدیث پر "لا يصح" کا حکم لگایا جاتا ہے، تو وہاں صحیح سے مراد اصطلاحی صحیح نہیں ہوتا، جو کہ حسن اور ضعیف کے مقابلے میں آتا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ اس حدیث کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:

الموضوعات الكبرىٰ، ص :۳۱۰، رقم : ۱۱۹۳

اللؤلؤالمرصوع ، ص : ١٦٤، رقم : ٤٨٨

(۲) تنزيه الشريعة المرفوعة ،۱/۱۷٤

(۳) اللآلي المصنوعة :۱/۱۰٦

طرف صحیح نہیں اور یہ حدیث موضوع ہے۔ چنانچہ عصرِ حاضر کے محقق عالم و محدث شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ لکھتے ہیں:۔

فقولهم في الحديث "لا يصح" أو "لا يثبت" أو "لم يصح" أو "لم يثبت" أو "ليس بصحيح" أو "ليس بثابت" أو "غير ثابت" أو "لا يثبت فيه شي" ونحو هذه التعابير، إذا قالوه في كتب الضعفاء أو الموضوعات فالمراد به أن الحديث المذكور موضوع، لا يتصف بشيءٍ من الصحة۔[1]

ترجمہ: محدثین کا کسی حدیث کے بارے میں یہ کہنا کہ "یہ حدیث صحیح نہیں ہے یا ثابت نہیں ہے" (یا اس سے ملتے جلتے الفاظ) جب کسی حدیث کے بارے میں محدثین یہ الفاظ ضعیف یا موضوع روایات پر مشتمل کتابوں میں استعمال کریں، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث من گھڑت ہے اور اس میں صحت کی کوئی چیز نہیں ہے۔

لہٰذا علامہ سیوطیؒ کا مندرجہ بالا حدیث پر "لا یصح" کا حکم لگانا اس حدیث کے موضوع اور من گھڑت ہونے کی دلیل ہے۔

---

(۱) مقدمة، المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، ص:۲۷، ص:۳۵

حدیث نمبر۵: ”اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب کون ہے؟“

”ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو آپ زیادہ محبوب ہیں یا میں؟ تو حضور ﷺ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کو میں زیادہ محبوب ہوں کیونکہ آپ کو میرے پاس بھیجا جاتا ہے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو آپ زیادہ محبوب ہیں یا قرآن؟ تو حضور ﷺ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کو میں زیادہ محبوب ہوں کیونکہ قرآن مجید مجھ پر اتارا جاتا ہے۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو آپ زیادہ محبوب ہیں یا دین؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو دین زیادہ محبوب ہے کیونکہ دین کی خاطر مجھے بھیجا گیا ہے اور دین کے لیے سارے انبیاء کرام علیہم السلام نے تکالیف برداشت کی ہیں۔“

یہ حدیث بیانات وغیرہ میں کثرت سے بیان کی جاتی ہے، بہت تلاش کے باوجود اس کی بنیاد یا اس کے اصل ماخذ کا پتہ نہ چل سکا، لہذا مختلف دارالافتاء سے اس روایت کے سلسلے میں رجوع کیا گیا تو ان کی طرف سے اس

حدیث کے ثبوت کی نفی کی گئی، چنانچہ ہفت روزہ ''ضرب مومن'' کے شرعی مسائل میں اس حدیث کی صحت کے بارے میں سوال کیا گیا، تو اس کا جواب '' دارالافتاء والارشاد کراچی'' کی طرف سے یوں دیا گیا ہے:۔

''یہ بات ہم نے حدیث کی کتابوں میں کہیں نہیں پڑھی اور نہ ہی کسی معتمد عالم دین سے سنی ہے، اس مضمون سے ملتی جلتی کوئی حدیث بھی ہماری نظر سے نہیں گزری، اس لیے اس بات کو بطور حدیث بیان کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ اس کا معتبر حوالہ پیش کرے، بغیر معتبر حوالہ کے ہرگز اس کو آگے بیان نہ کرے۔''(۱)

اسی طرح دارالعلوم دیوبند سے جاری ہونے والے جدید فتاویٰ جات میں اس حدیث کے متعلق لکھا ہے:۔

''ہماری نظر سے ایسی کوئی حدیث نہیں گزری۔'' (۲)

لہذا اس حدیث کو بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

---

(۱) آپ کے مسائل کا حل، مندرجہ ضرب مؤمن، جلد ۱۷، شمارہ ۲، جمعہ ۷ تا جمعرات ۱۳ صفر ۱۴۳۴ھ

(۲) فتاوی دارالعلوم دیوبند، حدیث وسنت، آن لائن دارالافتاء

حدیث نمبر۶: ”حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کی روایات“

حضرت ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے، جن کے اوپر بطور آزمائش ایک لمبے عرصے تک بیماری آئی تھی۔ ان کی بیماری کے واقعے میں عموماً یہ بات بیان کی جاتی ہے کہ اس بیماری سے ان کا بدن گل سڑ گیا تھا اور ان کے مبارک جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے، حتیٰ کہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی کیڑا ان کے بدن سے گر جاتا تو وہ ان کو اٹھا کر دوبارہ اپنی جگہ پر رکھ دیتے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق اس قسم کی روایات سے قبل یہ اصول ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر صحت و مرض کے حالات آتے رہے ہیں، تاہم اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو ہر اس بیماری اور عیب سے محفوظ رکھا ہے جس سے لوگ گِھن یا کراہت محسوس کریں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقصدِ بعثت لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا اور ان میں رہتے ہوئے، ان کو حق بات کی تلقین کرتے رہنا تھا، جب کہ اس قسم کی بیماریاں لوگوں کے تنفر اور دوری کا باعث ہیں، نیز اس قسم کی بیماریاں شانِ نبوت اور منصبِ نبوت کے بھی منافی ہیں۔

چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہ لکھتے ہیں:۔

"بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے جسم کے ہر حصے پر پھوڑے نکل آئے تھے یہاں تک کہ لوگوں نے گھِن کی وجہ سے آپ کو ایک کوڑی پر ڈال دیا تھا، لیکن بعض محققین مفسرینؒ نے ان آثار کو درست تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر بیماریاں تو آسکتی ہیں، لیکن انہیں ایسی بیماریوں میں مبتلا نہیں کیا جاتا، جن سے لوگ گھِن کرنے لگیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری بھی ایسی نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ کوئی عام قسم کی بیماری تھی، لہٰذا وہ آثار جن میں حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف پھوڑے پھنسیوں کی نسبت کی گئی ہے یا جن میں کہا گیا ہے کہ آپ کو کوڑی پر ڈال دیا گیا تھا۔ روایۃً اور درایۃً قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔"[1]

نیز جمہور محققین مثلاً حافظ ابن حجرؒ، علامہ آلوسیؒ نے بھی حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کی تفصیل والی روایات کی صحت سے انکار کیا ہے اور اس کو انبیاء کرام علیہم السلام کی وجاہت (جو کہ نبوت کا خاصہ ہے) کے منافی قرار دیا ہے۔[2]

---

(۱) معارف القرآن، جلد ۷/۵۲۲

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیں: فتح الباري : جلد ۶/۴۲۶۔
روح المعاني : جلد ۲۳/۲۰۸۔
الإسرائيليات وأثرها في كتب الحديث : ص :۳۳۳، ۳۳۴ ۔
تفسير المراغي : ۲۳/ ۱۲۵۔
فتاویٰ حقانیہ : ۲/۱۵۳۔

الغرض امراض کا عارض ہونا بے شک انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ بھی پیش آتا رہا ہے لیکن صرف اس حد تک کہ وہ لوگوں کے لیے باعثِ نفرت اور سببِ تکدر نہ ہو اور نہ ہی وہ عیب کے درجے میں ہو، لہٰذا ایوب علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیماری یا تکلیف تو یقیناً آئی تھی، لیکن اس کی تفصیل بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حدیث نمبر ۷: "حضرت نوح علیہ السلام کو طوفان کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مٹی کے کھلونے بنانے اور بعد ازاں توڑنے کا حکم دینا"

"جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے قوم کے لیے بددعا فرمائی، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے طوفان بھیج کر سارے نافرمانوں کو ہلاک کر دیا تو کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ مٹی کے چند کھلونے بناؤ، حضرت نوح علیہ السلام نے تعمیل ارشاد میں مٹی کے چند کھلونے بنا لیے، پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس کو توڑ دو تو حضرت نوح علیہ السلام نے حکم خداوندی کو بجا لاتے ہوئے ان کو توڑ ڈالا، لیکن ان کھلونوں کو توڑتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام رنجیدہ ہوئے کہ میں نے کتنی مشقت سے ان کھلونوں کو بنایا تھا اور اب ان کو توڑنے

کا حکم دیا جارہا ہے۔ ان کی اس دلی کیفیت پر اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ اے نوح! ان معمولی بے جان کھلونوں کو توڑنے سے آپ کے دل کو اتنی ٹھیس پہنچی ہے تو آپ کی بددعا کی وجہ سے میں نے جن لوگوں کو ہلاک کر ڈالا کیا مجھے اپنے ان بندوں سے محبت نہیں تھی کہ آپ نے ان کی ہلاکت کی بددعا کی؟"

یہ قصہ مواعظ اور بیانات میں عام طور پر بیان کیا جاتا ہے، لیکن یہ واقعہ بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کے خلاف ہے، کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی امت کے لیے کبھی جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی بددعا نہیں کی، بلکہ یہ عظیم ہستیاں ہر لحظہ انسانیت کی ہدایت پر حریص اور ان پر مشفق اور مہربان ہوا کرتی تھیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی امت کے لیے بددعا کرنا بھی کسی قسم کی جذباتیت کی بنا پر نہیں تھا اور نہ ہی اپنے امت کے سینکڑوں سالوں کے اعراض و تکذیب اور مسلسل انکار سے تنگ آکر انہوں نے بددعا کی تھی، بلکہ ان کی بددعا کے پیچھے بھی ان لوگوں کے لیے شفقت اور مہربانی کا جذبہ کار فرما تھا جو ایمان قبول کر چکے تھے، کہ یا اللہ ! یہ کفار اگر زندہ رہیں گے تو یہ ان لوگوں کو گمراہ کر دیں گے جو ایمان قبول کر چکے ہیں۔

چنانچہ قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا کی یہ غرض مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کی حکایت کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں:۔

﴿وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾۔[1]

نیز حضرت نوحؑ نے ساڑھے نوسو سال کی محنت کے بعد بھی اس وقت بددعا کی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو خبر دی کہ آپ کی قوم میں سے جن کی قسمت میں ہدایت لکھی جا چکی تھی وہ سب ایمان لا چکے ہیں۔ مزید آپ کی قوم میں سے اب کوئی ایمان نہیں لائے گا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿اِنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾[2]

چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ سورہ نوح کی مذکورہ بالا آیت کے ترجمہ وتفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"چونکہ مجھ کو آپ کے ارشاد﴿اِنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا

---

(۱) نوح ۲۶-۲۷۔

(۲) سورۃ ھود ۳۶

مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾

سے معلوم ہو گیا کہ یہ اب ایمان نہ لاویں گے اس لیے یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ... الخ‘‘(۱)

بلکہ مشہور مفسر علامہ قرطبیؒ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بد دعا کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا تھا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

قلت وإن كان لم يؤمر بالدعآء نصّاً، فقد قيل له : ”إنه لن يؤمن من قومك إلا من قد آمن“ فأعلم عواقبهم، فدعا عليهم بالهلاك، كما دعا نبينا ﷺ على شيبة وعتبة ونظرائهم، فقال: ”أللهم عليك بهم“ لما أعلم عواقبهم، وعلى هذا يكون فيه معنى الأمر بالدعآء“(۲)

ترجمہ: ’’اگر چہ نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کے لیے بد دعا کا حکم صراحتًا تو نہیں دیا گیا تھا، البتہ ان سے یہ کہا گیا کہ ’’آپ کی قوم میں سے اب کوئی بھی ہرگز ایمان نہیں لائے

---

(۱) معارف القرآن : ۸/۵۲۳

(۲) الجامع لأحكام القران : ۲۱/۲۶۹

گا سوائے ان کے جو ایمان لا چکے ہیں۔" تو اس آیت
سے ان کو اپنی قوم کا انجام معلوم ہو چکا تھا تب انہوں
نے ان کے لیے ہلاکت کی بددعا کی۔ جیسا کہ ہمارے نبی
ﷺ نے عتبہ و شیبہ کا انجام معلوم ہو جانے پر ان کے
لیے بددعا فرمائی تھی، تو اس طرح (اگرچہ حضرت نوح
علیہ السلام کو صراحتاً تو بددعا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا
لیکن) معنوی طور پر ان کو بددعا کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔"

لہذا ایسی روایات بیان کرنا کسی طرح سے بھی درست نہیں، جن
سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی بددعا پر کسی قسم کی
ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔

حدیث نمبر ۸: "حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر پرندے کا پانی ڈالنا"

یہ روایت مشہور ہے کہ جب نمرود نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام
کو آگ میں ڈالا، تو ایک پرندہ ابابیل اپنی چونچ میں پانی بھر کر آگ پر ڈالتا رہا
تاکہ آگ بجھ جائے جبکہ گرگٹ اس آگ پر پھونک مارتا رہا تاکہ وہ آگ
مزید بھڑک اٹھے۔

یہ روایت درست نہیں نہ ہی کسی حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

اس کی جگہ آپ ﷺ کی حدیث میں ابابیل کی بجائے مینڈک کا ذکر ہے اور گرگٹ کی بجائے چھپکلی کا ذکر ہے۔

حدیث مندرجہ ذیل ہے۔

"عن عائشة رضی الله عنها أن النبی ﷺ قال: كانت الضفدع تطفئ النارعن ابراهيم عليه السلام وكان الوزغ ينفخ فيه فنهى عن قتل هذا وأمر بقتل هذا۔"(۱)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مینڈک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو بجھاتا رہا اور چھپکلی اس آگ میں پھونک مارتی رہی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مینڈک کو مارنے سے منع فرمایا اور چھپکلی کو مارنے کا حکم دیا۔

لہذا اس روایت میں ابابیل اور گرگٹ کو ذکر کرنا درست نہیں۔

حدیث نمبر ۹: آپ ﷺ کا ایک بوڑھی عورت کی گھٹڑی اٹھانا۔

یہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ ایک بوڑھی یہودی عورت سر پر گھٹڑی اٹھا کر مکہ مکرمہ سے جارہی تھی۔ آپ ﷺ نے اس کو دیکھا تو اس

---

(۱) مصنف عبدالرزاق: ٤/٤٤٦، رقم الحديث: ٨٣٩٢۔

سے گھٹڑی لے کر خود اپنے سر پر رکھ لی۔ جب اسے منزل پر پہونچایا تو اس بڑھیا نے آپ ﷺ کو نصیحت کی کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو لوگوں کو ان کے آبائی دین سے پھیر کر ایک نئے دین کی دعوت دیتا ہے اور اس کا نام محمد (ﷺ) ہے۔ تم اس سے بچتے رہنا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میں ہی ہوں، تو وہ بڑھیا آپ کے حسنِ اخلاق سے متاثر ہو کر ایمان لے آئیں۔

یہ واقعہ بھی خود ساختہ ہے۔ تخریج حدیث کے جدید مکتبہ "الدرر السنیۃ" نے اس واقعہ کو بے بنیاد اور من گھڑت قرار دیا ہے نیز اس قصے کے من گھڑت ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس قصے میں یہودی عورت کا واقعہ مکہ میں بیان کیا گیا ہے حالانکہ مکہ مکرمہ میں یہود نہیں تھے یہود تو مدینہ منورہ میں آباد تھے۔

حدیث نمبر ۱۰: "آپ ﷺ کا ابو جہل کو دین اسلام کی دعوت دینا"

اس بارے میں دو روایتیں عموماً گردش کرتی ہیں۔

ایک یہ کہ آپ ﷺ نے ابو جہل کو ننانوے یا سو مرتبہ دین کی دعوت دی۔

دوسری یہ کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ سخت بارش اور سردی میں ابو جہل کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ابو جہل نے کہا کہ اتنی سخت بارش اور سردی میں ضرور کوئی بہت ہی حاجت مند شخص میرے گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، میں ضرور اس کی

حاجت پوری کروں گا۔ چنانچہ جب اس نے دروازہ کھولا تو آپ ﷺ سامنے کھڑے تھے لیکن ابوجہل نے پھر بھی آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔

یہ دونوں روایتیں بھی ذخیرۂ احادیث میں بہت تلاش کے باوجود کہیں نہیں ملیں۔

حدیث نمبر ۱۱: "آپ ﷺ کا ایک قافلے کو دین کی دعوت دینے کے لیے جانا"

یہ روایت بھی عموماً بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ سخت آندھی اور گرج چمک والی رات میں ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ کو کہیں تشریف لے جاتے ہوئے دیکھا تو اس صحابیؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ اتنی سخت رات میں کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہاڑ کے اُس پار ایک قافلہ رات کے لیے ٹھہرا ہوا ہے، اسے اپنی دعوت دینے کے لیے جارہا ہوں۔ اس صحابیؓ نے کہا کہ اتنی سخت رات میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ ﷺ صبح تشریف لے جائیں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں صبح ہونے سے پہلے یہ قافلہ چلا نہ جائے اس لیے ابھی جارہا ہوں۔

یہ روایت بھی تلاش بسیار کے باوجود کہیں نہیں مل سکی۔

فصل سوم

فرشتوں سے متعلق روایات

حدیث نمبر ۱: "فرشتوں کا حضرت ابو بکر صدیقؓ کی مشابہت میں ٹاٹ کا لباس پہننا"

"هبط علي جبريل عليه السلام وعليه طنفسة وهو متخلل بها فقلت: "يا جبريل! ما نزلت إليّ في مثل هذا الزيّ"؟ قال: إن الله تعالىٰ أمر الملائكة أن تتخلل في السماء كتخلل أبي بكر في الأرض"۔

ترجمہ: (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے) مجھ پر جبرائیل علیہ السلام اس حال میں اترے کہ وہ ٹاٹ کا لباس اوڑھے ہوئے تھے، تو میں نے کہا: " اے جبرائیل! تم تو پہلے کبھی اس حلیہ میں نہیں اترے ؟" (آج اس قسم کے لباس پہننے کی کیا خاص وجہ ہے ؟) تو حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ آسمان میں وہ لباس پہنیں جو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے زمین میں پہنا ہوا ہے۔"

یہ حدیث بھی زبان زدعام ہے، حالانکہ اس حدیث کو علامہ جلال الدین سیوطیؒ، امام ابن عرّاقؒ اور دیگر محدثین نے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔[1]

علامہ ابن الجوزیؒ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"یہ حدیث ثابت اَشنانی نے اپنی طرف سے گھڑی ہوئی ہے اور یہ شخص حدیث گھڑنے کے ساتھ ساتھ نقلِ حدیث اور معرفتِ حدیث سے بھی جاہل تھا[2]

(یہاں قارئین کے سامنے یہ وضاحت ضروری ہے کہ احادیث پر حکم لگانے میں علامہ ابن جوزیؒ کا تشدد مشہور ہے، تاہم اس کتاب میں کسی حدیث پر ان کے حکم کو اصولی اور بنیادی حیثیت سے ذکر نہیں کیا گیا بلکہ ان کا قول محض تائیدی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ دیگر معتدل ائمہ حدیث واہل تحقیق کی رائے کو ہی بنیاد بنا کر احادیث پر حکم لگایا گیا ہے۔)

لہذا یہ حدیث موضوع ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دیگر مستند مناقب وفضائل اتنے زیادہ ہیں کہ جن میں انبیاء کرام علیہم السلام

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:
اللآلي المصنوعة: ۱/۲۹۳
تنزيه الشريعة المرفوعة : ۱/۳۴۳
الفوائد المجموعة : ص :۴۱۹، رقم الحديث : ۱۰۴۳/۶۔
(۲) كتاب الموضوعات : ۲/۵۵۔

کے علاوہ کوئی ان کا شریک نہیں ہے۔ لہذا ان کے فضائل ومناقب میں ان مستند روایات کو ہی بیان کیا جائے۔

حدیث نمبر۲ :" فرشتے کی دو پلکوں کے مابین پانچ سو سال کی مسافت"

" إن لله ملكًا مابين شفري عينيه مسيرة خمس مائة عام"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ اتنا بڑا ہے کہ اس کی دونوں آنکھوں کی پلکوں کے مابین پانچ سو سال کی مسافت کے برابر فاصلہ ہے۔

اس حدیث کے بارے میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

"لم يوجد له أصل"(۱)

ترجمہ: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

نیز امام عجلونیؒ اور علامہ قاوقجیؒ نے بھی اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔(۲)

حدیث نمبر۳:" لاالہ الا اللہ " پڑھنے سے ایک

---

(۱) المصنوع في معرفة الحديث الموضوع : ص : ٦٧، رقم : ٦٣۔

(۲) بالترتیب دیکھیں: كشف الخفاء: ۱/۲۲۸، رقم : ۷۷۳۔ اللؤلؤالمرصوع رقم :۱۱۱)۔

عجیب الخلقت فرشتے کا پیدا ہونا

”من قال لا إله إلا الله، خلق الله من تلك الكلمة طائراً له سبعون ألف لسان، لكل لسان سبعون ألف لغة، يستغفرون الله له“

ترجمہ: جو شخص لا اله الا الله پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کلمہ کی وجہ سے ایک پرندے کو پیدا فرماتے ہیں ۔(عوام میں پرندے کی جگہ فرشتہ مشہور ہے) جس کی ستر ہزار زبانیں ہوتی ہیں۔ ہر زبان میں ایک ہزار بولیاں ہوتی ہیں ۔اور وہ فرشتہ ان سب زبانوں اور بولیوں میں اس بندے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہے۔

اس حدیث کو ملا علی قاریؒ، علامہ قاوقجیؒ اور حافظ ابن قیمؒ نے من گھڑت قرار دیا ہے۔[1]

---

(۱) بالترتیب ملاحظہ کریں:

الموضوعات الكبرىٰ ص :۲۹۸، رقم : ۱۱۸۰

اللؤلؤالمرصوع ص : ۱۹٤، رقم : ٦٠٤

المنار المنيف ص:۵۰،فصل :٦

فصل چہارم

قیامت کے بارے میں موضوع روایات

حدیث نمبر ا ’’قیامت کے دن ایک عورت کی وجہ سے چار آدمیوں کا جہنم میں جانا‘‘

’’ قیامت کے دن ایک عورت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہنم کا فیصلہ سنایا جائے گا، تو وہ عورت اللہ تعالیٰ سے درخواست کرے گی کہ اے اللہ! میرے باپ ، بھائی ، میرے بیٹے اور میرے شوہر میں سے کسی نے مجھے دین نہیں سکھایا، جس کی وجہ سے آج مجھے جہنم میں ڈالا جارہا ہے، اگر یہ مجھے دین سکھاتے تو آج میں جہنم نہ جاتی ۔ تو اس کی اس شکایت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان چاروں کو بھی جہنم میں ڈال دیں گے ۔‘‘

یہ حدیث تلاشِ بسیار کے باجود نفیاً واثباتاً کہیں نہیں مل سکی، البتہ یہ مذکورہ بالا کلام مشہور حدیث ’’کلکم راعٍ و کلکم مسؤل عن رعیتہ‘‘ کی تشریح کے طور پر تو کہا جاسکتا ہے، لیکن خاص ایک عورت کی وجہ سے چار مذکورہ بالا رشتہ داروں کا جہنم میں جانا کسی حدیث میں نہ مل سکا۔

لہذا اس روایت کے بارے میں مختلف مدارس کے دارالافتاء سے رجوع کیا گیا، تو سب کی طرف سے اس حدیث کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا گیا، چنانچہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاون کراچی کے دارالافتاء کی طرف سے درج ذیل جواب دیا گیا۔

"استفتاء میں ذکر کردہ حدیث تلاشِ بسیار کے باوجود احادیث مبارکہ کی کسی کتاب میں نہ مل سکی، ہر انسان مرد و عورت اپنے برے اعمال کا سزاوار اور ذمہ دار خود ہوتا ہے، الا یہ کہ کسی شخص کے فسق اور معصیت میں کوئی دوسرا شخص سبب بنے، تو ایسی صورت میں بدعملی کے مرتکب شخص کے علاوہ اس کی بدعملی کا سبب بننے والا بھی گناہ گار قرار پاتا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ﴾[1]

اس لئے عورت سے متعلق مذکورہ حدیث کا جب تک کوئی معتبر ثبوت نہ ملے، اس وقت تک حدیث کے طور پر یہ بات بیان نہ کی جائے۔[2]

---

(۱) سورة عنكبوت :۱۳

(۲) فتوى ۲۳٤،٦٨/۲

باب سوم

علم وعلماء سے متعلق موضوع روایات

(ا) علم کے بارے میں موضوع روایات

(ب) علماء سے متعلق موضوع روایات

باب سوم

فصل اول

علم کے بارے میں موضوع حدیث

حدیث نمبر۱: "أطلبوا العلم من المهد إلى اللحد"

ترجمہ: ماں کی گود سے قبر تک علم حاصل کرو۔

اس حدیث پر دور حاضر کے مشہور محقق شیخ عبدالفتاح أبو غدہؒ کا تبصرہ ملاحظہ کریں:

"ليس بحديث نبوي وإنما هو من كلام الناس، فلا يجوز إضافته إلى رسول الله ﷺ كما يتناقله بعضهم... و هٰذا الحديث موضوع: "أطلبوا العلم من المهد الى اللحد" مشتهر علىٰ ألسنة كثير۔[1]

ترجمہ: یہ حدیث نہیں بلکہ یہ لوگوں کا کلام ہے، لہٰذا اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کرنا جائز نہیں... اور یہ حدیث من گھڑت اور موضوع ہے... اگرچہ لوگوں کی زبانوں پر معروف ہے۔

---

(۱) قيمة الزمن عندالعلماء، ص:۲۳

فصل دوم

علماء سے متعلق موضوع روایات

حدیث نمبرا ''اس امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں''

''علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل''

یہ حدیث بھی موضوع اور من گھڑت ہے اس روایت کے بارے میں فقہ حنبلی کے شہرۂ آفاق فقیہ، ابن مفلحؒ لکھتے ہیں:۔

''وأما ما يذكره بعض الناس :''علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل''فلم أجد له أصلاًولا ذكر له في كتب المشهور المعروفة ولا يصح۔''(۱)

یعنی اس حدیث کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں اور نہ حدیث کی معروف و مشہور کتابوں میں اس کا کوئی ذکر ہے اور نہ ہی یہ حدیث صحیح ہے۔

ان کے علاوہ حافظ ابن حجرؒ، علامہ سخاویؒ، ملا علی قاریؒ اور حافظ

---

(۱) الآداب الشرعية:۲/۳۷

جلال الدین سیوطیؒ جیسے اساطینِ علمِ حدیث نے بھی اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔[1]

حدیث نمبر ۲: عالم کے چہرے کی طرف دیکھنا

"النظر إلیٰ وجه العالم عبادة۔"

ترجمہ: عالم کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

اس حدیث کو حافظ سخاویؒ، ملا علی قاریؒ اور علامہ عجلونیؒ نے موضوع قرار دیا ہے۔[2]

ملا علی قاریؒ اس حدیث پر تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ زیر بحث حدیث (یعنی عالم کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے) تو ثابت نہیں ہے لیکن اس کی جگہ امام طبرانیؒ اور امام حاکمؒ نے سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور سیدنا حضرت عمران بن حصینؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے:۔

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:

المقاصد الحسنة، رقم:۷۰۲، ص:۲۹۳

المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، رقم:۱۹٦، ص: ۱۲۳

الدرر المنتثرة: رقم: ۲۹٤

(۲) بالترتیب دیکھیں:

المقاصدالحسنة رقم:۱۲٥۱، ص : ٤٥٤

الموضوعات الكبرىٰ رقم:۱۰۰٦، ص:۲٥۳

كشف الخفاء رقم:۲۸۱۱،ص:۲/۳۸۰

"النظر إلىٰ وجه علي عبادة۔"[۱]

یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔ اگرچہ یہ حدیث بذاتِ خود مختلف فیہ ہے۔ چنانچہ امام حاکم نیشاپوریؒ نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے اور دونوں کو صحیح قرار دیا ہے۔[۲]

اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس کے متعدّد طرق ذکر کیے ہیں۔[۳] جب کہ علامہ ذہبیؒ نے ان دونوں سندوں کو موضوع قرار دیا ہے۔[۴] راقم کا خیال ہے کہ شاید کسی سے لفظ "علي" میں تصحیف ہوئی ہو، اور اس نے علی کی جگہ عالم ذکر کیا ہو۔

حدیث نمبر ۳: "عالم کی نیند بھی عبادت ہے۔"

"نوم العالم عبادة"

اس روایت کو بھی محدثین عظامؒ نے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"لا أصل له في المرفوع هٰكذا بل ورد

---

(۱) الموضوعات الكبرىٰ: رقم: ۱۰۰۶، ص: ۲۵۳

(۲) ملاحظہ ہو" المستدرك على الصحيحين ۱۱۸/٤

(۳) ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء، رقم: ٤٧٣٧، ٤٧٣٦، ص: ۱۷۳

(٤) مختصر إستدراك الحافظ الذهبي: ص ۱۵۰۵، رقم: ۵۷۳، ۵۷٤۔

"نوم الصائم عبادة"... إلىٰ قوله:لكن روى أبو نعيم في "الحلية" عن سلمان "نوم على علم خير من صلوٰة على جهل" ففي الجملة: من كان عالماً فنومه عباد ة، لأنه ينوي به النشاط على الطاعة۔"(۱)

ترجمہ:یہ حدیث ،مرفوع نہیں ہے،بلکہ اس کی جگہ یہ روایت موجود ہے کہ روزہ دار کی نیند عبادت ہے۔لیکن ابو نعیمؒ نے اپنی کتاب "حلیہ"میں سلمان سے یہ قول نقل کیا ہے کہ عالم کی نیند جاہل کی نماز سے افضل ہے۔ حاصل یہ کہ عالم کی نیند فی الجملہ عبادت ہے کیونکہ وہ عبادت میں نشاط پیدا کرنے کی نیت سے آرام کرتا ہے۔"

نیز علامہ سبکیؒ نے اس حدیث کو امام غزالیؒ کی کتاب "احیاء علوم الدین" کی ان احادیث کے ذیل میں ذکر کیا ہے جن کی کوئی سند ان کو نہیں مل سکی۔(۲)

لہٰذا نفس الامر کے اعتبار سے تو یہ کہنا درست ہے کہ عالم کی نیند

---

(۱) الموضوعات الكبرىٰ، رقم: ۱۰۱۶، ص: ۳۵۵

(۲) طبقات الشافعية الكبرىٰ :۳۰۷/٦، هذا فصل جمعت فيه جميع ما وقع في كتاب الإحياء من الأحاديث التي لم أجد لها إسناداً۔

عبادت ہے، تاہم اس کو بطور حدیث بیان کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

حدیث نمبر۴: جنت میں بھی لوگوں کو علماء کی ضرورت ہوگی۔

إن أهل الجنة ليحتاجون الى العلماء في الجنة، وذلك أنهم يزورون الله في كل جمعة، فيقول تمنوا عليّ ماشئتم فيلتفتون إلى العلماء فيقولون : "ماذا نتمنىٰ علىٰ ربنا؟" فيقولون: "تمنوا كذا وكذا" الحديث۔

ترجمہ: اہلِ جنت ،جنت میں بھی علماء کی طرف محتاج ہونگے،وہ اس طرح کہ اہل جنت ہر جمعہ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے، تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے،مانگو مجھ سے جو چاہو، تو اہل جنت علماء کی طرف متوجہ ہوں گے اور ان سے کہیں گے کہ ہم اپنے رب سے کیا مانگیں؟ تو علماء کرام ان سے کہیں گے کہ فلاں فلاں چیز مانگو۔

اس حدیث کو ملا علی قاریؒ اور علامہ عجلونیؒ نے حافظ ذہبیؒ کے حوالے سے موضوع قرار دیا ہے۔[1]

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:

المصنوع في معرفة الحديث الموضوع رقم:٥٣،ص:٦٤

كشف الخفاء،رقم:٦٩٤، ص: ١/٢٦٠

حدیث نمبر۵: جس نے کسی عالم کی زیارت کی اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔

"من زار العلماء فكأنما زارني، ومن صافح العلماء فكأنما صافحني ومن جالس العلماء فكأنما جالسني و من جالسني في الدنيا أجلس إليّ يوم القيامة"

ترجمہ: (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جس نے علماء کی زیارت کی توگویا اس نے میری زیارت کی اور جس نے علماء سے مصافحہ کیا، گویا اس نے مجھ سے مصافحہ کیا اور جو علماء کے پاس بیٹھا، گویا وہ میرے پاس بیٹھا اور جو دنیا میں میرے پاس بیٹھا ، تو قیامت کے دن بھی اس کو میرے پاس بٹھایا جائے گا۔

اس روایت کو متعدد ائمہ حدیث اور اہل تحقیق نے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ سیوطیؒ، ملا علی قاریؒ، علامہ شوکانیؒ، حافظ عجلونیؒ اور ابن عراق نے اس روایت کو بے بنیاد اور موضوع قرار دیا ہے۔[1]

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:

ذيل الموضوعات ص:۳۵

المصنوع في معرفة الحديث الموضوع ص:۱۸۳، رقم:۳۳۵

الفوائد المجموعه: رقم ۸۹۰

كشف الخفاء، رقم:۲۴۹٤، ص: ۲۹۸/۲

تنزيه الشريعة:۲۷۲/۲

حدیث نمبر۶: علماء کے علاوہ سب لوگ مردہ ہیں۔

"الناس کلهم موتیٰ إلا العالمون، والعالمون کلهم هلکیٰ إلا العاملون، والعاملون کلهم غرقیٰ إلا المخلصون، والمخلصون علیٰ خطر عظیم۔"

ترجمہ: لوگ سب کے سب مردہ ہیں سوائے علماء کے اور علماء بھی سب کے سب ہلاکت میں پڑے ہوئے ہیں سوائے عمل کرنے والوں کے، اور عمل والے بھی سب غرق ہیں سوائے اخلاص والوں کے اور اخلاص والے بھی بڑے خطرے میں ہیں۔

یہ حدیث من گھڑت اور موضوع ہے، چنانچہ علامہ عجلونیؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"قال الصغاني، و هذا حدیث مفتری ملحون۔"(۱)

یعنی یہ حدیث من گھڑت ہے۔

دراصل یہ حضور ﷺ کی حدیث نہیں، بلکہ مشہور بزرگ حضرت سہل تستریؒ کا مقولہ ہے، چنانچہ خطیب بغدادیؒ نے اس روایت کو

(۱) کشف الخفاء، رقم:۲۷۹۶، ص:۲/۳۷٤

حضرت سہل تستریؒ کا مقولہ قرار دیا ہے۔[1]

لہٰذا اس کو بطور حدیث بیان کرنا درست نہیں۔

حدیث نمبر ۷: چالیس دن تک عذاب کا رفع ہوجانا۔

ایک حدیث ہمارے ہاں عام طور پر بیان کی جاتی ہے کہ جس علاقے میں دین کی محنت اور فکر کے لئے گشت ہوتا ہے، تو وہاں سے چالیس دن تک عذاب کو اٹھالیا جاتا ہے۔

یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ تو کسی جگہ نہ مل سکی، البتہ اس سے ملتی جلتی ایک موضوع اور بے بنیاد حدیث ہے جو مندرجہ ذیل ہے:۔

"إن العالم والمتعلم إذا مرّا علیٰ قرية، فإنّ الله تعالیٰ يرفع العذاب عن مقبرة تلك القرية أربعين يوماً۔"

ترجمہ: جب عالم اور طالب علم کسی بستی سے گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس بستی کے قبرستان سے چالیس دن تک عذاب اٹھالیتے ہیں۔

یہ حدیث موضوع ہے، چنانچہ ائمہ حدیث میں سے ملا علی قاریؒ

---

(۱) إقتضاء العلم العمل ، ص:۲۹، رقم:۲۲

اور علامہ عجلونیؒ نے اس حدیث کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔[1]

گشت کی فضیلت کے طور پر جو حدیث بیان کی جاتی ہے کہ جہاں دینی محنت کے لیے گشت ہوتا ہے وہاں چالیس دن تک عذاب نہیں آتا، وہ غالباً اسی حدیث سے ماخوذ ہے اور چونکہ یہ حدیث موضوع ہے، اس لیے اس کو بیان کرنا یا اس پر کسی دوسرے دینی کام کرنے والوں کو قیاس کر کے اس کے لیے اس فضیلت کو ثابت کرنا جائز نہیں۔

البتہ مذکورہ بالا روایت کے علاوہ ایک دوسری حدیث قدسی ہے جس میں تین کاموں کی وجہ سے آئے ہوئے عذاب کو اٹھا دیے جانے کا ذکر ہے چنانچہ حضرت انسؓ سے حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں:۔

يقول الله عزوجل "إني لأهم بأهل الأرض عذاباً فإذا نظرت إلى عمار بيوتي والمتحابين في وإلى المستغفرين بالأسحار، صرفت عنهم"[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں کسی جگہ کے لوگوں پر

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:

المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، ص:٦٥، رقم: ٥٧

كشف الخفاء و مزيل الإلباس، رقم : ٦٧٢، ص:٢٥٤/١

(٢) شعب الايمان، للبيهقي رقم الحديث ٣/١١١٨

عذاب بھیجنے کا ارادہ کرلیتا ہوں لیکن جب وہاں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو میرے گھروں کو آباد کرنے والے ہیں آپس میں ایک دوسرے سے میرے لیے محبت کرنے والے اور فجر کے قریب (تہجد میں) استغفار کرنے والے ہیں تو (ان کی وجہ سے) وہ عذاب ان (تمام لوگوں سے) پھیر لیتا ہوں۔

حدیث نمبر ۸: عالم کا سونا عابد کی عبادت سے افضل ہے۔

یہ حدیث بھی مشہور و معروف ہے کہ عالم کا ساری رات سونا، عابد کی ساری رات کی عبادت سے افضل ہے۔

لیکن اہل سنت کی متداول اور معتبر کتبِ حدیث میں یہ روایت موجود نہیں، بلکہ اِس روایت کو مشہور شیعہ مصنف شیخ صدوق ابو جعفر القمی (المتوفی ۳۸۱ھ) نے اپنی کتاب "من لا یحضره الفقیه" میں ذکر کیا ہے چنانچہ روایت کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:۔

روى حمادبن عمرو وأنس بن محمد عن أبيه جميعا – يعني حمادا ومحمدا والد أنس – عن جعفر بن محمد، عن أبيه عن جده، عن علي بن أبي طالب، عن النبيﷺ أنه قاله...

يا علي! نوم العالم خير من عباده العابد۔[1]

لیکن اس طرح کے غالی روافض کی روایت کے بارے میں علامہ سیوطیؒ کا تبصرہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا۔ کہ ان کے جھوٹ، تقیہ اور منافقت کی وجہ سے علم حدیث میں محض اُن کی روایت کردہ حدیث پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

علاوہ ازیں شیخ صدوق کی روایت کردہ مندرجہ بالا حدیث کو خود شیعہ محققین نے بھی ناقابلِ روایت قرار دیا ہے چنانچہ مشہور شیعہ مصنف ابو القاسم خوئی کی رجال روافض پر مرتب کتاب ''معجم رجال الحدیث'' میں بھی اس روایت کے راویوں کو غیر معتمد قرار دیا گیا ہے۔[2]

لہٰذا ''عالم کا سونا عابد کی ساری رات کی عبادت سے افضل ہے'' اِس کو حدیث کے طور پر بیان کرنا درست نہیں۔

---

(۱) من لا يحضره الفقيه : ٢٦٩/٤ مؤسسة الأعلمي ، بيروت۔ شيخ صدوق أبو جعفر محمد بن على بن الحسين بن بابويه القمى، المتوفى ٣٨١هـ

(۲) معجم رجال الحديث وتفصيل طبقات الرواة: ٢٣٥/٧، السيد أبوالقاسم الموسوى الخوئى

باب چہارم

عبادات

- اذان
- مسجد
- نماز

فصل اول

اذان سے متعلق موضوع روایات

حدیث نمبر ۱: حضرت بلالؓ کا اذان میں ”أشهد“ کی جگہ ”أسهد“ (سین کے ساتھ) پڑھنا

”إن بلالاً کان یقول ”أسهد“ یجعل الشین سینًا“

ترجمہ: حضرت بلالؓ اسهد پڑھا کرتے تھے۔ یعنی شین کو سین کر کے پڑھتے تھے۔

اس روایت کو متعدد ائمہ حدیث نے بے بنیاد اور موضوع اور حضرت بلالؓ کی شان میں تنقیص قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ عجلونیؒ اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

”فقد ترجمه غیر واحد بِأنه کان أندیٰ الصوت، حسنه، فصیح الکلام... و لو کانت فیه لثغة لتوفرت الدواعي علیٰ نقلها، ولعابها أهل النفاق علیه، المبالغون فی

التنقيص لأهل الإسلام۔"(۱)

ترجمہ: متعدّد علماء تراجم نے حضرت سیدنا بلالؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپؓ بلند اور خوبصورت آواز والے اور فصیح کلام کے مالک تھے۔

اور اگر ان کی زبان میں واقعی کسی قسم کی ہکلاہٹ ہوتی، تو یہ بات کثرت سے روایات میں موجود ہوتی۔ (کیونکہ حضرت بلالؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے۔ اور دن میں پانچ وقت اذان دیا کرتے تھے جس کا تقاضہ یہ تھا کہ اس حدیث یا واقعہ کو تمام یا اکثر صحابہ کرامؓ نے روایت کیا ہوتا) نیز منافقین جو مسلمانوں کی عیب جوئی اور تنقیص کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے، وہ ضرور اس چیز پر اعتراض کرتے۔

بلکہ علامہ عجلونیؒ، حضرت ابراہیم ناجیؒ کے حوالے سے یہاں تک لکھتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سیدنا بلالؓ نے کبھی "أسهد" سین کے ساتھ نہیں کہا۔(۲)

ان کے علاوہ دیگر محدثین مثلاً علامہ سیوطیؒ، ملا علی قاریؒ اور

---

(۱) كشف الخفاء رقم:۱۵۲۰، ص:۱/۵۳۰

(۲) كشف الخفاء، رقم: ۱۵۲۰، ص: ۱/۵۳۰۔

حافظ سخاویؒ نے بھی اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ اور حضرت بلالؓ کی طرف اس عیب کے منسوب ہونے کو خلافِ واقعہ قرار دیا ہے۔ [۱]

حدیث نمبر ۲: سیدنا بلالؓ کے اذان نہ دینے کی وجہ سے سورج طلوع نہ ہونا

حضرت بلالؓ کی طرف منسوب یہ واقعہ بھی عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا بلالؓ نے فجر کی اذان نہیں دی، بلکہ کسی اور صحابیؓ نے اذان دی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورج کو طلوع ہونے سے روک دیا۔ پھر جب حضرت بلالؓ نے دوبارہ اذان دی تب جاکر سورج طلوع ہوا۔ اس واقعہ کو بھی علماء کرام نے بے بنیاد اور موضوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ خیر الفتاویٰ کی عبارت ملاحظہ ہو:۔

> "یہ واقعہ کسی حدیث میں مذکور نہیں، بلکہ یہ لوگوں میں ویسے مشہور ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں"۔ [۲]

نیز حضرت بلالؓ کے اذان نہ دینے کی وجہ سے سورج کا طلوع نہ ہونا اور طلوع ہونے سے رک جانا ایک صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے اور اس

---

(۱) بالترتیب دیکھیں: الدرر المنتثرة رقم:٤٩٨
الموضوعات الکبریٰ رقم:٢٥٧ ص: ٧٣
المقاصد الحسنة رقم:٢٢١ ص: ١٢٠

(۲) خیر الفتاویٰ:١/٤٨٥

حدیث سے بھی مذکورہ واقعہ کی نفی ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

إن الشمس لم تحبس لبشرٍ إلا ليوشع عليه السلام ليالي سار إلى البيت المقدس۔[1]

یعنی سورج کو حضرت یوشع علیہ السلام کے علاوہ کسی انسان کے لئے نہیں روکا گیا۔ جب انہوں نے بیت المقدس کا سفر کیا۔ (تو اس سفر میں ان کے لئے سورج کو ٹھہرایا گیا ان کے علاوہ اور کسی کے لئے سورج کو نہیں ٹھہرایا گیا۔)

فائدہ:

کتب حدیث میں سورج کے متعلق ایک دوسرے واقعہ کا ذکر بھی آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گود میں آنحضرت ﷺ نے اپنا سر مبارک رکھا ہوا تھا اور آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ یہ کیفیت اتنی دیر برقرار رہی کہ اس میں حضرت علیؓ کی عصر کی نماز قضاء ہوگئی اور سورج غروب ہوگیا، چنانچہ جب آپ ﷺ سے نزول وحی کی کیفیت جاتی رہی تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ کیا تم نے عصر کی نماز نہیں پڑھی؟ تو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ "جی ہاں میری نمازِ عصر قضا ہوگئی۔" تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی "اے اللہ! علیؓ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت

---

(۱) البداية و النهاية:۲/۲۳۶۔

میں مشغول تھا، لہٰذا اس کے لئے سورج کو لوٹا دے"، تو آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے سورج کو دوبارہ لوٹا دیا اور حضرت علیؓ نے عصر کی نماز ادا کی۔ جس کے بعد سورج دوبارہ غروب ہو گیا۔

حضرت علیؓ کے لئے حضور ﷺ کی دعا کی برکت سے سورج کے لوٹنے والے اس واقعے کے ثبوت و عدمِ ثبوت میں علماء حدیث کا اختلاف ہے، چنانچہ امام احمدؒ، امام علی بن مدینیؒ، علامہ ابن الجوزیؒ، حافظ ابن تیمیہؒ اور ان کے تلامذہ علامہ ذہبیؒ، حافظ ابن قیمؒ اور علامہ ابن کثیرؒ جیسے جبالِ علم اس واقعے کی صحت اور ثبوت کا انکار کرتے ہیں اور اس کو بھی ماقبل مذکور صحیح حدیث (حبس الشمس لیوشع علیہ السلام) کے معارض و منافی قرار دیتے ہیں۔

جب کہ امام طحاویؒ، امام حاکم نیشاپوریؒ، امام بیہقیؒ، قاضی عیاضؒ، حافظ ابنِ حجرؒ، علامہ سیوطیؒ، حافظ سخاویؒ اور ملا علی قاریؒ جیسے جلیل القدر محدثین اور اساطینِ علمِ حدیث اس واقعے کے ثبوت اور وقوع کے قائل ہیں۔[1]

یہ حضرات اس حدیث یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے حضور ﷺ کی دعا کی برکت سے سورج کے لوٹنے والے واقعے کے

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھیں:

تحقیق علی هامش المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، ص:۲۶٦، از شیخ عبدالفتاح أبو غدة)۔

اور ''ان الشمس لم تحبس'' والی حدیث کے درمیان تعارض کو اس طرح دفع کرتے ہیں کہ حضرت یوشع علیہ السلام والی حدیث میں ''حبسِ شمس'' یعنی سورج کو روکنے کی نفی ہے، جب کہ حضرت علیؓ کی حدیث میں ''حبسِ شمس'' کا ذکر نہیں ہے، بلکہ ردِ شمس یعنی سورج کے لوٹانے کا اثبات ہے، اس لیے دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

تاہم ہماری زیر بحث حدیث یعنی حضرت بلالؓ کے اذان نہ دینے کی وجہ سے فجر طلوع نہ ہونا، اس میں چونکہ ''حبسِ شمس'' یعنی سورج کو روکنے کا ذکر ہے، جو کہ حضرت یوشع علیہ السلام والی حدیث کے خلاف ہے، نیز یہ واقعہ حدیث کی کسی کتاب میں بھی موجود نہیں ہے، اس لیے حضرت بلالؓ کی طرف منسوب یہ واقعہ درست نہیں۔

حدیث نمبر ۳ ''فجر کی اذان میں ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کے جواب میں ''صدقت وبررت'' کہنا۔

فجر کی اذان میں مؤذن کے '' الصلوٰۃ خیر من النوم '' کہنے کے جواب میں بعض شوافع مثلاً علامہ نوویؒ اور حافظ سخاویؒ نے '' صدقت وبررت '' کے الفاظ کے ساتھ جواب دینے کو مستحب قرار دیا ہے۔[1]

اسی طرح فقہائے حنفیہ میں علامہ حصکفیؒ اور علامہ ابنِ عابدین

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:
شرح المسلم للنووي رحمه الله: ۱/۱۶۶۔
المقاصد الحسنة، رقم: ۶۱۷، ص: ۲۶۸)

شامی، نیز ملا علی قاریؒ نے بھی ان الفاظ کے ساتھ مذکورہ کلمات کے جواب دینے کو مستحب قرار دیا ہے اور ان حضرات نے اس کے استحباب کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ اذان میں جیسے "حي على الصلوة " اور "حي على الفلاح" کے کلمات کوئی ذکر الٰہی نہیں ہے، اس لیے اس کے جواب میں "لاحول ولاقوة إلا بالله" کہا جاتا ہے، اسی طرح مؤذن کا فجر کی اذان میں "الصلوة خير من النوم" کہنا بھی کوئی ذکر نہیں ہے کہ اسی کو دہرایا جائے۔ بلکہ یہ ایک خبر ہے، اس لیے اس کے جواب میں "صدقت وبررت " کہنا چاہیے۔[1]

لیکن دوسری طرف شوافع اور احناف ہی کے بعض دیگر ائمہ وفقہاء نے اس کو رد کیا ہے اور "الصلٰوة خير من النوم" کے جواب میں انہی الفاظ کے دہرانے کو مسنون قرار دیا ہے۔

چنانچہ حافظ سخاویؒ کے استاد اور شیخ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فجر کی اذان میں "الصلوة خير من النوم "کے جواب میں "صدقت وبررت "کہنے کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"لا أصل له"[2]

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:
الدر المختار مع رد المحتار :۲/۸۲
مرقاة المفاتيح :۲/۳۴۹

(۲) التلخيص الحبير :۱/۳۷۸

یعنی ان الفاظ کی کوئی اصل اور دلیل نہیں ہے۔

اسی طرح فقہاءِ حنفیہ میں سے علامہ رافعیؒ نے علامہ شامیؒ کے "صدقت وبررت" کے الفاظ کو مستحب قرار دینے پر اعتراض اور رد کیا ہے۔ ان کے اعتراض کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے کہ "الصلوة خير من النوم" کے الفاظ کا جواب "صدقت وبررت" کی بجائے انہی الفاظ یعنی "الصلوة خير من النوم" کے ذریعے دینا ہی افضل اور مسنون ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

"إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مايقول"[1]

یعنی جب موذن کی اذان سنو تو اسی طرح کے کلمات سے جواب دو۔

اس حدیث کا تقاضا ہے کہ مؤذن اذان میں جو الفاظ کہے تو جواب دینے والا جواب میں اذان کے انہی کلمات کو دہرائے۔

البتہ "حي على الصلوة" اور "حي على الفلاح" کے جواب میں "لاحول ولا قوة الا بالله" کہنا مسلم شریف کی ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے۔[2]

---

(۱) صحيح مسلم :۱/۱۶۶

(۲) ملاحظہ ہو صحيح مسلم :۱/۱۶۷

لہٰذا اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے فجر کی اذان میں "الصلٰوۃ خیر من النوم "کا جواب " صدقت وبررت" کے الفاظ کی بجائے انہی الفاظ کو دہرا کر دینا چاہیے۔ کیونکہ صدقت وبررت کے الفاظ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ بعض اسلاف سے منقول ہیں۔ (۱)

احناف وشوافع کے فقہاء ومحدثین کی ان باہم متعارض روایات میں کس جہت کو ترجیح دی گئی ہے؟ اس کے لیے جدید فتاوی جات کی طرف مراجعت کی گئی، چنانچہ حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے حافظ ابنِ حجرؒ اور علامہ رافعیؒ کے قول کو ترجیح دی ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"الصّلوٰۃ خیر من النوم" کے جواب میں "صدقت وبررت وبالحق نطقت" کہنا کسی حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ بعض سلف سے منقول ہے بہتر یہ ہے کہ جواب میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" ہی کہا جائے۔ (۲)

خلاصہ بحث یہ ہے کہ "صدقت وبررت" کے الفاظ کسی حدیث سے ثابت نہیں، لہٰذا اس کی جگہ "الصلوٰۃ خیر من النوم" کا جواب انہی الفاظ سے دیا جائے، کیونکہ ایک صحیح بلکہ متفق علیہ حدیث میں

---

(۱) تقریرات رافعي علی هامش ردالمحتار : ۲/۸۲

(۲) احسن الفتاوی: ۲۰۶/۱۰۔

مؤذن کے اذان کے جواب میں انہی الفاظ کو دہرانے کا حکم ہے۔

حدیث نمبر۴ اذان کے بعد والی دعا میں ''الدرجة الرفیعة'' کے الفاظ

اذان کے بعد دعاءِ وسیلہ میں ''الدرجة الرفیعة'' کے الفاظ بھی کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے بلکہ موضوع اور من گھڑت ہیں۔

چنانچہ حافظ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں:۔

''ولیس في شيءٍ من طرقه ذکر ''الدرجة الرفیعة''(۱)

یعنی اذان کے بعد دعا والی روایات کے کسی طریق یا سند میں ''الدرجة الرفیعة'' کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

نیز حافظ سخاویؒ اور ملا علی قاریؒ نے بھی ان الفاظ کے ثبوت کا انکار کیا ہے۔(۲)

---

(۱) التلخیص الحبیر : ۱/۳۷۶۔

(۲) بالترتیب دیکھیں:

المقاصد الحسنة ، رقم: ٤٨٤، ص :٢١٩؛

الموضوعات الکبری، رقم : ٤٦٨، ص : ١٢٢

فصل دوم

مسجد سے متعلق موضوع روایات

حدیث نمبرا: مسجد میں باتیں کرنے سے نیکیوں کا ختم ہونا۔

" الحديث في المسجد يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب۔"

ترجمہ: مسجد میں باتیں کرنے سے نیکیاں اس طرح ختم ہو جاتی ہیں، جیسے آگ خشک لکڑی کو جلا دیتی ہے۔

بعض روایات میں "كماتأكل البهيمة الحشيش" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، یعنی مسجد میں باتیں کرنا نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے چوپائے گھاس کو کھا جاتے ہیں۔

یہ روایت اگر چہ بعض تفاسیر میں منقول ہے، لیکن محدثین اور ائمہ جرح و تعدیل نے اس روایت کو موضوع اور بے اصل قرار دیا ہے، چنانچہ ملا علی قاریؒ، حافظ زین الدین عراقیؒ، علامہ عجلونیؒ اور علامہ سبکیؒ جیسے ائمہ حدیث و اہلِ تحقیق نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ (۱)

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:

المصنوع في معرفة الحديث الموضوع: رقم: ۱۰۹، ص: ۹۲

المغني عن حمل الأسفار، رقم الحديث: ۱/۱۰۷،٤١٠

كشف الخفاء و مزيل الإلباس، رقم: ۱۱۲۱

طبقات الشافعية الكبرىٰ: ٤/١٤٥

علامہ سفارینی حنبلیؒ اس روایت کو من گھڑت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

”و أما مااشتهر على الألسنة من قولهم: إن النبي ﷺ قال: الحديث في المسجد وبعضهم يزيد -المباح- يأكل الحسنات كما تأكل البهيمة الحشيش، و بعضهم يقول: كما تأكل النار الحطب_ فهو كذب لا أصل له“۔[۱]

ترجمہ: لوگوں کی زبانوں پر یہ حدیث جو مشہور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد میں باتیں کرنا (اور بعض نے تو یہ کہا ہے کہ مسجد میں مباح گفتگو کرنا) نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے جانور گھاس کو یا آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے تو یہ جھوٹ ہے اور اس کی کوئی بنیاد نہیں۔

ماضی قریب کے مشہور محقق عالم شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ اس حدیث کے موضوع ہونے پر کتبِ فقہ کی نصوص وعبارات سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وقد حقق العلاّمة الشيخ ابن عابدين في

(۱) غذاء الألباب شرح منظومة الآداب:۲۴۲/۲۔

حاشيته "ردالمحتار" من كتب السادة الحنفية، جواز الكلام المباح في المسجد، واستدل بأن أهل الصُفة كانوا يلازمون المسجد، وكانوا ينامون و يتحدثون فيه وساق الشيخ ابن حزم في كتابه "المحلى" ٤:٢٤١۔ الأدلة الناهضة على جواز التحدث في المسجدبما لا إثم فيه و هذاو ذاك مما يؤكد بطلان هذا الحديث۔"[۱]

یعنی علامہ ابن عابدین شامیؒ نے "ردالمختار"[۲] میں اور علامہ ابن حزم نے المحلی میں قوی دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ مسجد میں گفتگو اور کلام کرنا جائز ہے، بشرطیکہ کسی گناہ کا کلام نہ ہو۔

لہذا ان فقہی عبارات سے بھی اس حدیث (يعنى الحديث في المسجد... الخ) کے باطل ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ مسجد میں مباح گفتگو کرنا جائز ہے (اگر چہ خلافِ اولیٰ ہے) اور زیر بحث حدیث موضوع ہے۔

---

(۱) تحقيق از شيخ عبدالفتاح أبو غدهؒ على المصنوع في معرفة الحديث الموضوع ، رقم الحديث :۱۰۹، ص:۹۲۔

(۲) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة ، مطلب في المسجد:۲/۵۲۷۔

حدیث نمبر۲: مؤمن مسجد میں ایسے خوش ہوتا ہے جیسے تالاب میں مچھلی

"المؤمن في المسجد كالسمك في الماء والمنافق في المسجد كالطير في القفص۔"

ترجمہ: مؤمن مسجد میں ایسے خوش ہوتا ہے، جیسے مچھلی پانی میں۔ اور منافق مسجد میں ایسے تنگ ہوتا ہے، جیسے پرندہ پنجرے میں۔

یہ حدیث بھی عام طور پر مسجد کے فضائل یا مسجد میں بیان سننے کے لیے بطورِ ترغیب بیان کی جاتی ہے اور اس کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے طور پر بیان کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ حضور ﷺ کی حدیث نہیں ہے، بلکہ در حقیقت مشہور بزرگ حضرت مالک بن دینارؒ سے اس سے ملتا جلتا کلام منقول ہے۔

چنانچہ علامہ عجلونیؒ لکھتے ہیں:۔

"لم أعرفه حديثاً، وإن اشتهر بذلك ، ويشبه أن يكون من كلام مالك بن دينارؒ ، فقد نقل المناوي عنه أنه قال: المنافقون في

المسجد كالعصافير في القفص"۔[1]

ترجمہ: اگرچہ یہ کلام حدیث کے طور پر مشہور ہے، تاہم مجھے ایسی کسی حدیث کا علم نہیں ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت مالک بن دینارؒ کا کلام ہو کیونکہ مناویؒ نے اُن سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: "منافق مسجد میں ایسے ہوتے ہیں جیسے پرندے پنجروں میں"۔

لہٰذا اس کو بطورِ حدیث بیان کرنا یا اس کے حدیث ہونے کا تاثر دینا جائز نہیں ہے۔

---

(۱) کشف الخفاء، رقم الحدیث:۲٦٨٩، ص:۲/۳۵۱۔

فصل سوم

نماز کے بارے میں موضوع روایات

حدیث نمبر ا: نماز مؤمن کی معراج ہے۔

"الصلوة معراج المؤمن"

یہ حدیث حضور ﷺ کی حدیث نہیں، متعدد اہلِ علم حضرات نے اپنی تصانیف میں اس کو ذکر کیا ہے کہ نماز مؤمن کی معراج ہے، لیکن کسی نے حضور ﷺ کی حدیث کے طور پر اس کو ذکر نہیں کیا، بلکہ بطورِ ضرب المثل یا بطورِ مقولہ بیان کیا ہے۔ مثلاً مشکوٰۃ المصابیح میں ایک حدیث ہے آپ ﷺ نے فرمایا:۔

"إن أحدكم اذا قام في الصلوة فإنما يناجى ربه وإن ربه بينه و بين القبلة۔"

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے، تو درحقیقت وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے اور اس کا رب، اس کے اور قبلہ کے درمیان میں ہوتا ہے۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

"أى يخاطبه بلسان القال كالذكر و الدعاء،

وبلسان الحال كأنواع أحوال الانتقال، ولذا

قيل: الصلوة معراج المؤمن... الخ"[۱]

ترجمہ: یعنی اپنے رب سے مناجات کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں بندہ زبانی طور پر بھی اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوتا ہے جیسا کہ ذکر اور دعا کی حالتوں میں۔ اور بزبانِ حال بھی اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوتا ہے جیسا کہ نماز میں ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونا، اسی وجہ سے نماز کو مؤمن کا معراج کہا گیا ہے۔

اسی طرح علامہ آلوسیؒ نے بھی اس کو بطور مقولہ ذکر کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

و قد ذكروا "أن الصلوة معراج المؤمن"[۲]

لہٰذا نماز کا مؤمن کے لیے معراج ہونا اگرچہ اپنے معنی کے اعتبار سے درست ہے، لیکن اس کو حدیث کے طور پر بیان کرنا جائز نہیں۔

دارالعلوم دیوبند کی طرف سے جاری ہونے والے فتاویٰ میں بھی اس کے حدیث ہونے کی نفی کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ عبارت کسی بزرگ کا

---

(۱) مرقاة المفاتيح، باب المساجد و مواضع الصلوة :۲/۴۵۲۔

(۲) روح المعاني، سورة المؤمنون، الاية :۱۱۸۔

مقولہ ہے، حدیث نہیں ہے۔[۱]

حدیث نمبر ۲: قضاءِ عمری کی روایت۔

”من قضى صلوة من الفرائض في آخر جمعة من شهر رمضان ، كان ذلك جابراً لكل صلوة فائتته في عمره الى سبعين سنة“

ترجمہ: جو شخص رمضان کے آخری جمعہ کو ایک قضاء فرض ادا کرلے، تو یہ ایک نماز اس کی ستر سالوں کی تمام فوت شدہ نمازوں کے لیے کافی ہوجائے گی۔

اس روایت کے بارے میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

” باطل قطعاً“[۲]

یعنی یہ حدیث قطعی طور پر باطل ہے۔

آگے انہوں نے اس حدیث کے باطل ہونے کی وجہ بھی تحریر کی ہے کہ یہ روایت اس وجہ سے بھی باطل ہے کہ یہ اجماع کے خلاف ہے۔ کیونکہ کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جو سالوں کی فوت شدہ نمازوں کے قائم مقام ہوسکے۔

لہٰذا یہ حدیث بھی موضوع اور من گھڑت ہے۔

---

(۱) آن لائن دار الافتاء دار العلوم دیوبند، فتوی نمبر: ۴۴۔۷/۷۴د، زیر عنوان: حدیث وسنت۔

(۲) المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، رقم الحديث:۳۵۸، ص:۱۹۱۔

حدیث نمبر۳: "دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھنے اور اس کے بعد دعا کرنے کی فضیلت"

"من أحدث و لم يتوضأ فقد جفاني، ومن توضأ ولم يصلّ فقد جفاني، ومن صلى ولم يدعني فقد جفاني، ومن دعاني فلم أجبه فقد جفوته ولست برب جاف۔"

ترجمہ: جس کا وضو ٹوٹ جائے اور پھر وہ وضو نہ کرے، تو اس نے ظلم کیا اور جو وضو کرلے لیکن (وضو کی دو رکعت) نماز نہ پڑھے، تو اس نے ظلم کیا اور جو تحیۃ الوضو پڑھ لے لیکن مجھ سے دعا نہ مانگے، تو اس نے ظلم کیا، اور پھر جو مجھ سے دعا مانگے اور میں اسے قبول نہ کروں، تو میں نے اس پر ظلم کیا، جب کہ میں ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔

یہ حدیث موضوع ہے، علامہ عجلونیؒ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔[1]

---

(۱) كشف الخفاء، رقم الحديث :۲۳۶۰، ص:۲۶۱/۲۔

حدیث نمبر۴: استخارہ کے بارے میں روایت۔

"ما خاب من استخار و لا ندم من استشار۔"

ترجمہ:استخارہ کرنے والا کبھی نامراد نہیں ہوگا اور مشورہ کرنے والا کبھی پشیمان نہ ہوگا۔

اس روایت کے بارے میں ائمہ حدیث کی آراء مختلف ہیں، بعض حضرات نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے جب کہ اکثر ائمہ حدیث نے اس کو موضوع کی بجائے ضعیف قرار دیا ہے۔

باوجودیکہ یہ روایت اکثر ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے تاہم چونکہ اس کا ضعف اس درجے کا شدید ضعف ہے کہ اس کو بطورِ حدیث بیان کرنا جائز نہیں ہے۔اس وجہ سے اس حدیث کو اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ اوراق میں تفصیل سے یہ بات ذکر کی گئی تھی کہ اعمال کے فضائل میں ضعیف روایت کا سہارا لینا اس وقت جائز ہے، جب کہ اس روایت میں تین شرائط موجود ہوں، جن میں سے پہلی اور متفقہ شرط یہ تھی کہ ضعیف روایت کو فضائل میں بیان کرنا اس وقت جائز ہوگا، جب کہ اس روایت کا ضعف شدید نہ ہو مثلاً کوئی حدیث تنہا ایک ایسا راوی روایت کرتا ہو، جو کذاب یا متہم بالکذب ہو تو اس کی روایت

فضائل میں بھی بیان نہیں کی جاسکتی۔[1]

یہ شرط زیرِ بحث روایت میں مفقود ہے، کیونکہ جن ائمہ حدیث نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، انہوں نے بھی سخت الفاظ میں اس حدیث کی تضعیف کی ہے، چنانچہ چند عبارات ملاحظہ ہوں۔

حافظ ابنِ حجرؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"أخر جه الطبراني رحمه الله في الصغير بسند واه جدًّا۔"[2]

علامہ عینیؒ اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"لم يروه عن الحسن إلا عبدالقدوس... و عبد القدوس أجمعوا على تركه و كذبه الفلاس رحمه الله۔"[3]

یعنی یہ حدیث تنہا عبدالقدوس نے حسن سے روایت کی ہے اور عبدالقدوس محدثین کے نزدیک بالاجماع متروک ہے، جب کہ فلاسؒ نے اس کی تکذیب کی ہے۔

علامہ ہیثمیؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

---

(۱) ملاحظہ ہو: مقدمہ، ضعیف حدیث بیان کرنے کی شرائط۔

(۲) فتح الباری:۱۱/۱۸۸۔

(۳) عمدة القاری، کتاب التهجد:۷/۳۲٤۔

”رواه الطبراني في الأوسط و الصغير من طريق عبد السلام بن عبد القدوس و كلاهما ضعيف جدًا۔“(۱)

علامہ عجلونیؒ نے بھی اس روایت پر یہی تبصرہ کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

”وفي سنده ضعف جداً۔“ (۲)

محدثین کرامؒ کی ان عبارات میں اس روایت پر جن الفاظ کے ذریعے جرح کی گئی ہے (مثلاً: واهٍ جداً، ضعیف جداً یا علامہ عینیؒ نے جو عبدالقدوس کی تکذیب کی ہے) ان الفاظ کو علماء جرح و تعدیل نے جرح کے ان مراتب میں شمار کیا ہے جن کی وجہ سے حدیث ناقابل روایت ہو جاتی ہے۔

چنانچہ الدکتور محمود الطحان، الفاظِ جرح کے مراتب ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

”المرتبة الثالثة۔ ثم ما صرح بعدم كتابة حديثه و نحوه مثل ”فلان لايكتب حديثه“ أو ”لا تحل الرواية عنه“ أو ”ضعيف جداً“ أو ”واه“ بمرة۔

---

(۱) مجمع الزوائد ، رقم الحديث :۱۳۱۵۷۔

(۲) كشف الخفاء ،رقم الحديث:۲۲۰۵،ص:۲/۲۱٦۔

المرتبة الرابعة - ثم مادل على إتهامه بالكذب أو نحوه مثل "فلان متهم بالكذب" أو" متهم بالوضع"... فلا يحتج بحديثهم ، ولا يكتب ولا يعتبر به، لأنه لا يصلح لأن يتقوىّ أو يقوىّ غيره۔"[1]

اس عبارت میں مصنف نے الفاظ جرح کے مراتب میں سے تیسرا اور چوتھا مرتبہ ذکر کیا ہے۔

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ کسی حدیث پر "ضعیف جداً" یا "واہٍ" جیسے الفاظ سے جرح کی جائے اور چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ کسی حدیث کی سند کے راوی پر کذب یا حدیث کے گھڑنے کی تہمت ہو، تو ان مراتب کی حدیث سے استدلال کرنا یا اس کو لکھنا جائز نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی اعتبار کیا جائے گا۔

چونکہ زیر بحث حدیث (ما خاب من استخار) پر بھی محدثینؒ نے اسی قسم کی جرح کی ہے، یعنی حافظ ابن حجرؒ نے واہٍ جداً، علامہ عینیؒ نے "اجمعوا علی ترکہ"، علامہ ہیثمیؒ نے "ضعیف جداً" اور حافظ عجلانیؒ نے "ضعیف جداً" کے الفاظ کے ساتھ اس روایت کی

---

(۱) أصول التخريج و دراسة الأسانيد ، ص:۱۴۵،۱۴۴۔

تضعیف کی ہے، جس کی وجہ سے یہ حدیث روایت کرنے کے قابل نہیں رہ جاتی، اسی وجہ سے اس روایت کو اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس روایت کو بھی بطورِ حدیث بیان کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

یہ حدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بھی اصلاحی خطبات کے جلد نمبر ۱۰ کے ایک وعظ بعنوان "استخارہ کا مسنون طریقہ" میں بیان کی ہے اِس بارے میں جب اُن کو اِس حدیث پر محدثین کی مذکورہ جرح سے مطلع کیا گیا تو حضرت اقدس نے کمالِ شفقت اور وسعتِ ظرفی سے اِس جرح کو قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اِن حضرات کا اتباع اور اِن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ چنانچہ اُن سے ہونے والی خط و کتابت مندرجہ ذیل ہے۔

حضرتِ اقدس عالی مرتبت شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب
دامت برکاتہم وادام اللہ فیوضہم

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت وتندرستی کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے۔ اور اُمت مسلمہ کو آپ جیسے نابغہ روزگار حضرات کی قدردانی اور آپ کے فیوض و برکات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

راقم کا بچپن ہی سے آپ سے یک طرفہ طور پر عقیدت مندانہ اور نیازمندانہ تعلق رہا ہے۔ اور آپ کے فتاویٰ، مواعظ، مقالات غرض ہر میدان میں آپ کی تصنیفات سے اکتساب فیض کرتا رہتا ہے۔ نیز راقم الحروف کا تعلق تدریس کے ساتھ ساتھ الحمد للہ تبلیغی جماعت سے بھی ہے اور اس سلسلے میں اندرون ملک سال کے علاوہ بیرون ممالک کے بھی کئی اسفار ہو چکے ہیں۔ ان تبلیغی اسفار میں تبلیغی جماعت کے ساتھیوں کی طرف سے اکثر بہت سی احادیث کے بارے میں پوچھا جاتا ہے۔ جو کہ حدیث کی معروف کتابوں میں نہیں ہوتیں۔ آپ سے بھی اسی سلسلے میں "البلاغ" میں شائع ہونے والی ایک حدیث کے بارے میں رہنمائی لینی ہے۔

"البلاغ" کے شعبان ۱۴۳۶ھ یعنی جون ۲۰۱۵ء کے شمارے میں آپ کا ایک خطاب شائع کیا گیا ہے۔ جو کہ دراصل "اصلاحی خطبات" کے جلد ۱۰ سے لیا گیا ہے۔ جس کا عنوان ہے "استخارہ کا مسنون طریقہ"

اس خطاب میں حضرتِ اقدس نے "مجمع الزوائد" کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے

"ماخاب من استخار ولاندم من استشار"

لیکن اس حدیث کی سند پر ائمہ حدیث نے جن سخت الفاظ سے جرح کی ہے۔ ~~وہ~~ اُصولِ حدیث کی رُو سے اس قسم کی جرح سے مجروح روایت ~~ناقابل روایت ہوجاتی~~ ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"أخرجه الطبرانیؒ فی الصغیر بسندٍ واهٍ جدًا" (فتح الباري: ۱۱/۱۸۸)

اور علامہ عینیؒ اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"لم یروه عن الحسن إلا عبد القدوس تفرد به ولده عبد السلام انتهی،

(جاری ہے)

وعبد القدوس أجمعوا على تركه وكذبه الفلاس وقال أبو حاتم، عبد السلام وأبوه ضعيفان" (عمدة القاری، کتاب التہجد : ۷/۳۲۴)

خود علامہ ہیثمیؒ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں

"رواه الطبراني في الأوسط والصغير من طريق عبد السلام بن عبد القدوس وكلاهما ضعيف جداً" (مجمع الزوائد، رقم الحديث : ۳۱۵۷)

حافظ عجلونیؒ بھی اس روایت پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"وفي سنده ضعف جداً" (كشف الخفاء ومزيل الإلباس، رقم الحديث : ۲۲۰۵)

ان مذکورہ بالا محدثین کرامؒ نے جن الفاظ میں اس حدیث پر جرح کی ہے۔ وہ بالترتیب یہ ہیں۔

۱۔ واہٍ جداً (حافظ ابن حجرؒ)

۲۔ أجمعوا على تركه وكذبه الفلاس۔ (علامہ عینیؒ)

۳۔ ضعيف جداً (علامہ ہیثمیؒ)

۴۔ ضعف جداً (حافظ عجلونیؒ)

ان مندرجہ بالا الفاظِ جرح کو علماءِ اصولِ حدیث نے جرح کے اُن مراتب میں شمار کیا ہے جن کی وجہ سے حدیث ناقابلِ روایت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ "الدکتور محمود الطحان" الفاظِ جرح کے مراتب ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"المرتبة الثالثة : ثم ما صُرِّح بعدم كتابة حديثه ونحوه، مثل "فلان لا يكتب حديثه" أو "لا تحل الرواية عنه" أو "ضعيف جداً" أو "واهٍ" بمرة

المرتبة الرابعة : ثم ما دل على إتهامه بالكذب أو نحوه مثل "فلان متهم بالكذب" أو "متهم بالوضع"...... فلا يحتج بحديثهم ولا يكتب ولا يعتبر به، لأنه لا يصلح لأن يتقوّى أو يقوّي غيره" (أصول التخريج ودراسة الأسانيد : ص، ۱۴۳)

اور تقریباً یہی کچھ حافظ ابن الصلاحؒ نے بھی لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو۔ مقدمة ابن الصلاحؒ، ص : ۱۲۶)

گزارش ہے کہ اس خط سے مقصود نہ تو اپنی حدیث دانی کا دعویٰ یا اظہار ہے (کہ یہ تو یقیناً سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے) اور نہ ہی خاکم بدہن حضرت اقدس کی تغلیط یا تصویب ہے۔ بلکہ مقصود صرف اور صرف اپنی اصلاح اور اپنی ناقص فہم کی تصحیح ہے کہ اس قسم کے الفاظِ جرح کے بعد اس حدیث کی روایت کی اصولی تکییف کیا ہو سکتی ہے؟

(جاری ہے)

امید ہے کہ آنحضرت اقدس اپنے بیش قیمت لمحات میں سے چند گھڑیاں نکال کر
اس کا جواب عنایت فرما کر بندہ پر احسانِ عظیم فرمائیں گے۔
اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہمارے تمام اکابر کو ہر شر اور فتنہ سے محفوظ فرما کر تادیر
آپ کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ آمین

نیازمند

صداقت علی ۲۲ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ
فاضل جامعہ فریدیہ اسلام آباد
متخصص جامعہ عثمانیہ پشاور

باسمہ سبحانہ

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ باعث مسرت ہوا۔ واقعۃً جیسے روایت بیان کی، اس وقت
اسکی اسنادی حیثیت بندہ کے علم میں نہیں تھی، بغیر علم کے بیان
کرنے پر استغفار کرتا ہوں، اور آپ کیلئے دعائے خیر کہ آپ نے
اس پر بندہ کو متوجہ فرمایا۔ اب بندہ نے متعلقہ جگہ پر
عبارت کی تصحیح کر دی ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیراً

والسلام

۱۰-۱۰-۳۶ھ

حدیث نمبر۵: بے نمازی کی نحوست:۔

یہ روایت بھی مشہور ہے کہ ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ سے اپنے گھر کی بے برکتی کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے اس کو اپنے گھر پر پردہ لٹکانے کا حکم دیا۔ تعمیلِ ارشاد کے کچھ دنوں بعد وہ صحابیؓ تشریف لائے اور انہوں نے حضور ﷺ سے فرمایا کہ اس پردہ لٹکانے کے بعد میرے گھر کی بے برکتی ختم ہوگئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے راستے سے ایک بے نمازی گزرتا تھا اور تمھارے گھر پر پردہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نظر تمھارے گھر کے اندر پڑجاتی تھی جس کی وجہ سے تمھارے گھر میں بے برکتی تھی۔ اب پردے کی وجہ سے اس کی نظر تمھارے گھر کے اندر پڑنے سے رک گئی۔ اس لیے وہ بے برکتی ختم ہوگئی۔

یہ روایت بھی خود ساختہ اور من گھڑت ہے۔ اس لیے کہ اس مبارک اور پاکیزہ زمانے میں اس قسم کے بے نمازی کا کوئی تصور نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

ولقد رأيتُنا وما يتخلف عنها (أى الجماعة) الا منافق معلوم النفاق۔ (صحیح مسلم بحوالہ فضائل نماز ص۵۱)

کہ ہم تو اپنا حال یہ دیکھتے تھے کہ جو شخص کھلم کھلا منافق ہوتا تو وہ جماعت کی نماز سے رہ جاتا، ورنہ کسی کو جماعت چھوڑنے کی ہمت بھی نہ ہوتی تھی۔

لہذا اس روایت کو بیان کرنے سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

باب پنجم
معاشرت

باب پنجم

معاشرت

حدیث نمبرا: مسلمان کو خوش کرنے کی فضیلت

''من سرّ المؤمن فقد سرّني و من سرّني فقد سرّ اللّٰہ۔''

ترجمہ: جس نے کسی مؤمن کو خوش کیا، تو اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا، اس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا۔

یہ روایت بھی من گھڑت ہے۔ ائمہ حدیث نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ ملا علی قاریؒ نے اس روایت کے بارے میں حافظ ابن حبانؒ سے ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:۔

'' میں نے جعفر بن ابان نامی ایک شخص کو سنا کہ وہ کسی کو یہ روایت لکھوا رہے تھے، تو میں نے اس کو کہا'' اے بزرگوار! اللہ سے ڈرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ نہ بولو'' تو اس نے مجھے کہا کہ'' تم لوگ میری عالی سند کی وجہ سے مجھ سے حسد کرتے ہو'' تو میں نے اس کو بادشاہ کے پاس لے جانے اور وہاں اس کی شکایت لگانے کی دھمکی دی اور اس کو ڈرایا دھمکایا، حتیٰ کہ میں نے اس سے قسم لے لی کہ آئندہ وہ مکہ مکرمہ میں حدیث نہیں بیان

کرے گا۔"(اس کے بعد میں نے اس کو چھوڑا)[۱]

نیز حافظ سیوطیؒ، علامہ عجلونیؒ اور دیگر محدثین نے بھی اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔[۲]

تاہم اِس مضمون سے ملتی جلتی ایک روایت حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جس نے میرے کسی اُمتی کی کوئی حاجت پوری کی تاکہ اس کو کوش کرے تو اُس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اُس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اللہ تعالیٰ اُس کو جنت میں داخل فرمادینگے۔[۳]

حدیث نمبر۲: مسلمان کے جوٹھے میں شِفاء ہے۔

"سور المؤمن شفاء۔"

یہ روایت مشہور و معروف ہے۔ لیکن یہ روایت بھی من گھڑت اور موضوع ہے۔ محدثین عظامؒ نے اس کو بطورِ حدیث روایت کرنے سے منع

---

(۱) المصنوع في معرفة الحديث الموضوع ، رقم الحديث :۳۴۰،ص:۱۸۵

(۲) بالترتیب دیکھیں:

تحذير الخواص من أكاذيب القصاص ، ص:۱۳۵۔

كشف الخفاء، رقم الحديث : ۲۴۹۸، ص:۲/۲۹۹

اللؤلؤالمرصوع، رقم الحديث:۵۶۹

(۳) مشكوٰة المصابيح ، كتاب الآداب باب الشفقة والرحمة على الخلق

کیا ہے، چنانچہ علامہ عجلونیؒ لکھتے ہیں:۔

"إن هذا ليس بحديث و زعم أنه حديث أو إيهام أنه حديث ، كذب على رسول الله ﷺ"(۱)

ترجمہ: یہ روایت حدیث نہیں ہے اور اس کو حدیث سمجھنا یا اس کے حدیث ہونے کا تاثر دینا دراصل رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنا ہے۔

علاوہ ازیں ملا علی قاریؒ نے بھی اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔(۲)

لہٰذا اس حدیث کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف درست نہیں ہے۔

تاہم حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مندرجہ ذیل قول منقول ہے:۔

من التواضع أن يشرب الرجل من سور أخيه۔

یعنی آدمی کے تواضع کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کا جوٹھا پانی پی لے۔

لیکن یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف اس قول کے منسوب ہونے پر بھی محدثین نے کلام کیا ہے۔ اور اس کی سند میں نوح نامی راوی کو کذاب اور متروک کہا گیا ہے۔(۳)

---

(۱) كشف الخفاء ، رقم الحديث :۱۴۰۵

(۲) المصنوع في معرفة الحديث الموضوع ، رقم الحديث:۱۴۴،ص:۱۰۶

(۳) دیکھیں:

الفوائد المجموعه، رقم ۷۱/۵۲۹۔

اور الأسرار المرفوعه، ص : ۲۱۴، تحقيق، محمد بن لطفي الصباغ

حدیث نمبر ۳۳: ناخن کاٹنے کا کوئی خاص مسنون طریقہ ثابت نہیں۔

عام طور پر مشہور ہے کہ ہاتھوں کی انگلیوں کے ناخن کاٹنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کے ناخن کاٹنے سے ابتداء کی جائے۔ پھر اس کے ساتھ درمیانی انگلی اور اس طرح آخر تک دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کا ناخن کاٹ کر پھر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے شروع کر کے انگوٹھے تک ترتیب وار ناخن کاٹے جائیں، اور سب سے آخر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن کاٹا جائے۔

یہ طریقہ حضور ﷺ سے ثابت نہیں، لہٰذا اس کو ناخن کاٹنے کا مسنون طریقہ قرار دینا درست نہیں، البتہ بعض اشعار میں مذکورہ بالا طریقہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، لیکن حفاظِ حدیث نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف اس کی نسبت کو بھی موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔[1]

ائمہ حدیث نے ناخن کاٹنے کے لیے کسی بھی مخصوص طریقے کے مسنون ہونے کا انکار کیا ہے، چنانچہ حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں:۔

"قص الأظفار، لم يثبت في كيفيته و لا

---

(۱) كشف الخفاء ۲/۴۹۹

في تعيين يوم له عن النبي ﷺ شيء۔"[1]

یعنی ناخن کاٹنے کی کیفیت یا اس کے لیے کسی دن کے متعین ہونے کے بارے میں آپ ﷺ سے کوئی چیز ثابت نہیں۔

نیز علامہ عجلونیؒ، ملا علی قاریؒ اور دیگر محدثین نے بھی حافظ سخاویؒ کی تائید کی ہے۔[2]

لہٰذا جس طریقے سے بھی ناخن کاٹے جائیں سنت ادا ہو جائے گی۔ چنانچہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں:۔

"قص الأظفار ، أى تقليمها و تحصيل سنيتها بأي كيفية كانت۔"[3]

یعنی ناخن جس طریقے سے بھی کاٹے جائیں، تو اس کی سنت ادا ہو جائے گی۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اگرچہ حافظ سخاویؒ اور ملا علی

---

(۱) المقاصد الحسنة، رقم الحديث :۷۷۲، ص:۳۱۳

(۲) بالترتیب دیکھیں:

کشف الخفاء،رقم:۱۱۳،۱۸۷۵/۲

المصنوع،رقم الحديث:۲۱۵، ص: ۱۳۰

اللؤلؤالمرصوع ، رقم الحديث:۳۷۱

(۳) بذل المجهود:۱۳۱/۱

قاریؒ نے ان مذکورہ بالا عبارات میں جہاں ناخن کاٹنے کے لیے کسی مخصوص طریقے کی نفی کی ہے وہاں ان حضرات نے ناخن کاٹنے کے لیے کسی مخصوص دن کی تعیین کی نفی بھی کی ہے کہ آپ ﷺ سے ناخن کاٹنے کا کوئی مخصوص دن بھی ثابت نہیں۔ لیکن یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ ان حضرات نے اگرچہ ناخن کاٹنے کے لیے کسی دن کے مخصوص ہونے کی نفی کی ہے تاہم شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ نے جمعہ کے دن ناخن کاٹنے کو سنت قرار دیا ہے اور اس کے ثبوت کے لیے حدیث بھی نقل کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

"وعند البيهقي مرسلاً، كان عليه الصلوة و السلام يقلم أظفاره و يقص شاربه قبل الجمعة"[۱]

خلاصہ یہ کہ جمعہ کے دن ناخن کاٹنا مسنون ہے، لیکن کاٹنے کی کوئی مخصوص کیفیت مسنون نہیں، بلکہ جس ترتیب سے بھی ناخن کاٹے جائیں، سنت ادا ہو جائے گی۔

حدیث نمبر ۴: معانقہ میں تین مرتبہ گلے ملنا۔

معانقہ یعنی گلے ملنے کے دوران تثلیث یعنی تین مرتبہ گلے ملنے کو معانقہ کا سنت طریقہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن سنت و حدیث سے معانقہ میں

---

(۱) التعليق على بذل المجهود: ۱/۱۳۱

تکرار ثابت نہیں۔ چنانچہ اس بارے میں حضرت اقدس مفتی رشید احمد لدھیانویؒ لکھتے ہیں:۔

"اگر معانقہ میں تکرار کو ثواب سمجھا جائے تو خلافِ سنت ہی نہیں بلکہ بدعت ہوگا، ورنہ محض رسم ہوگی۔ جو سنت سے ثابت نہیں، چونکہ اِس کی ترویج اِس کو سنت سمجھنے کا پیش خیمہ ہے اس لئے اِس سے احتراز کرنا چاہیے"[1]

لہٰذا تین بار گلے ملنے کو معانقہ کا سنت طریقہ کہنا یا سمجھنا درست نہیں۔

---

(۱) احسن الفتاوی، مسائلِ شتی : ۷۷/۹

باب ششم

متفرق روایات

باب ششم

متفرق روایات

حدیث نمبر ۱: ”من استویٰ یوماہ فھو مغبون“

ترجمہ: جس کے دو دن برابر رہے، وہ خسارے میں ہے۔

یعنی اعمال خیر کے اعتبار سے جس کا آج کا دن گزشتہ کل سے اچھا نہ ہوا، بلکہ آج کا دن اور گزشتہ کل کا دن برابر رہے، تو یہ شخص خسارے میں ہے۔

یہ روایت در حقیقت کوئی حدیث نہیں، بلکہ ایک بزرگ عبدالعزیز بن ابی روّاد المکیؒ کا خواب ہے کہ انہوں نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی اور آپ ﷺ نے ان کو اس بات کی وصیت کی۔

چنانچہ علامہ سبکیؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

”هذا رؤيا نوم عن عبدالعزيز بن أبي روّاد أنه رأى النبي ﷺ في النوم فسأله، فقال ذلك۔“(۱)

ترجمہ: یہ عبدالعزیز بن ابی روّاد کا خواب ہے کہ انہوں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا، تو انہوں نے

---

(۱) طبقات الشافعية الكبرى: ٦/٣٧٦

آپ ﷺ سے کوئی نصیحت کرنے کی درخواست کی، تو آپ ﷺ نے ان کو یہ نصیحت فرمائی۔

دیگر محدثین مثلاً ملا علی قاریؒ، حافظ زین الدین عراقیؒ اور علامہ قاوقجیؒ نے بھی اس روایت کو حدیث کی بجائے عبدالعزیز بن ابی روّاد کا خواب قرار دیا ہے۔[۱]

عبدالعزیز بن ابی روّاد، اگرچہ مؤرخین کے نزدیک عابد، صالح اور صاحب ورع و تقوی بزرگ تھے۔[۲] تاہم ان صفات سے متّصف ہونے کے باوجود محض خواب میں آپ ﷺ سے کوئی بات سن لینے سے اس بات کو حدیث نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ شیخ عبدالفتاح أبو غدةؒ اس حدیث پر تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ومن المقرر عند العلماء أن الرؤيا للنبي ﷺ لا يثبت بها حكم شرعي، أيًّا كان الرائي من الناس ، فبالأولى أن لا يثبت بها حديث نبوي۔"[۳]

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:
المصنوع ، رقم الحديث:۳۱۱، ص:۱۷٤
كشف الخفاء ، رقم الحديث: ٤٠٦؟
اللؤلؤالمرصوع ، رقم الحديث: ٥٣٠

(۲) تهذيب التهذيب:٦/٣٣٨

(۳) حاشية ، المصنوع تحت حديث المرقوم۳۱۱،ص:۱۷٤

یعنی اہل علم کے نزدیک یہ امر طے شدہ ہے کہ حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کر لینے سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا، تو خواب میں آپ ﷺ اگر کوئی بات ارشاد فرمائیں، تو اس کو حدیث بطریق اولیٰ نہیں کہا جاسکتا۔

لہٰذا اس روایت کو بطورِ حدیث بیان کرنا جائز نہیں۔

حدیث نمبر ۲۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

''الدنيا مزرعة الآخرة''

یہ حدیث بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ اس روایت کے بارے میں حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں:۔

''لم أقف عليه''(۱)

اسی طرح امام زرقانیؒ بھی اس حدیث کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''لا أعرفه''(۲)

---

(۱) المقاصد الحسنة، رقم الحديث:٤٩٧

(۲) مختصر المقاصد الحسنة رقم:٤٦٧

دیگر محدثین مثلاً ملا علی قاریؒ اور قاوقجیؒ نے بھی اسی حدیث کے ثبوت سے لاعلمی ظاہر کی ہے۔[1]

اس حدیث کے بارے میں محدثینؒ نے جو عدم واقفیت یا لاعلمی کا اظہار کیا ہے، اس حوالے سے علمِ اصولِ حدیث کے ایک قاعدے کی وضاحت ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب معروف ائمہ حدیث اور حفاظ میں سے کوئی محدّث، کسی حدیث کے بارے میں مذکورہ بالا الفاظ یعنی "لا أعرفه" یا "لم أقف عليه" یا "لم أجد له أصلا" وغیرہ الفاظ کے ذریعے اس حدیث سے ناواقفیت کا اظہار کرے۔ اور کوئی دوسرا محدّث ان کے اس قول پر نکیر یا رد نہ کرے، تو یہ الفاظ اس حدیث کے موضوع اور من گھڑت ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر ائمہ حدیث کا کسی حدیث کے بارے میں عدمِ علم، اس حدیث کے عدمِ وجود کی دلیل ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ اس قاعدے کو ذکر کرتے ہوئے علامہ سیوطیؒ رقم طراز ہیں:۔

"إذا قال الحافظ المطّلع الناقد في حديث "لا أعرفه" أعتمد ذلك في نفيه... أما بعد التدوين والرجوع إلى الكتب المصنّفة فيبعد عدم الاطلاع من الحافظ الجهبذ على ما

---

(۱) دیکھیں:

المصنوع، رقم الحديث:۱۳۵، ص:۱۰۱

اللؤلؤ المرصوع، رقم:۲۰۴

يورده غيره، فالظاهر عدمه۔"[1]

ترجمہ: جب کوئی حدیث کا حافظ، اس کے رواۃ واسناد کے احوال پر مطلع اور محقق، کسی حدیث کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کرے، تو یہ اس حدیث کی نفی کی دلیل ہوتی ہے، کیونکہ علم حدیث کی تدوین اور اس فن کی تصانیف کی طرف دیکھتے ہوئے یہ امر بہت بعید ہے کہ ایک محقق حافظِ حدیث کو کسی ایسی حدیث کی اطلاع نہ ہو، جس کو دیگر محدثین ؒ نے ذکر کیا ہو، لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ وہ حدیث ثابت نہیں ہوگی۔

اس تفصیل کے بعد اب زیر بحث حدیث کی طرف دیکھیں، تو اس حدیث کے بارے میں جن علماء نے لاعلمی کا اظہار کیا ہے یعنی حافظ سخاویؒ اور امام زرقانیؒ تو ان دونوں محدثین کو اہلِ تحقیق نے محدثین کی اس فہرست میں گردانا ہے، جن کی کسی حدیث سے ناواقفیت اس حدیث کے عدم وجود اور اس کے موضوع ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔[2]

لہٰذا اس تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ زیر بحث حدیث یعنی "الدنيا مزرعة الآخرة" موضوع ہے اور اس کو بطور حدیث بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

---

(۱) تدريب الراوي، النوع الثاني والعشرون: ۱/۱۶۱۔

(۲) المصنوع، ص: ۲۷، ملاحظہ کریں: شذرات في بيان بعض الاصطلاحات، از شیخ عبدالفتاح أبوغدةؒ۔

حدیث نمبر۳: دنیا کی مذمت

"الدنیا جیفة وطلابها کلاب۔"

ترجمہ: دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کُتے ہیں۔

یہ روایت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں بلکہ یہ موضوع حدیث ہے، چنانچہ علامہ عجلونیؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

قال الصغاني "موضوع أقول وإن كان معناه صحيحا لكنه ليس بحديث۔" (۱)

یعنی یہ روایت اپنے مفہوم کے اعتبار سے اگرچہ درست ہے کہ دنیا کی حقیقت ایسی ہی ہے، تاہم یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہیں ہے۔

البتہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسی طرح کا ایک قول منقول ہے۔

چنانچہ ان کا ارشاد ہے:۔

"الدنيا جيفة، فمن أرادها فليصبر على مخالطة الكلاب۔" (۲)

ترجمہ: دنیا مردار ہے، لہٰذا جو شخص اس کا طالب ہوگا اسے

---

(۱) کشف الخفاء، رقم الحديث: ۱۳۱۳، ص: ۱/٤٦٤۔

(۲) الجد الحثيث، رقم الحديث: ١٤٦، ص: ۳۹ نیز کشف الخفاء، رقم الحديث: ۱۳۱۳، ص: ١/٤٦٤۔

کتوں کے ساتھ اختلاط کو برداشت کرنا پڑے گا۔

حضرت علیؓ کا یہ قول اگر چہ مذکوہ بالا روایت ”الدنیا جیفة وطلابها کلاب“ کے ہم معنی ہے، تاہم یہ بھی ان کا اپنا قول ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہیں ہے، لہٰذا اس روایت کو بطورِ حدیث بیان کرنا درست نہیں۔

حدیث نمبر ۴ : وطن سے محبت ایمان کی علامت ہے۔

”حب الوطن من الایمان“

اس روایت کے بارے میں حافظ سخاویؒ، حافظ جلال الدین سیوطیؒ اور علامہ زرکشیؒ لکھتے ہیں:۔

” لم أقف علیه“(۱)

یعنی ہمیں یہ حدیث معلوم نہیں ، اور گزشتہ اوراق میں تفصیل سے یہ بحث گزر چکی ہے کہ مذکورہ بالا حفاظِ حدیث اگر کسی روایت کے بارے میں ”لم أقف علیه“ یا ”لا أعرفه“ جیسے الفاظ سے حکم لگائے، تو یہ اس حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل ہوتی ہے، کیونکہ ان

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:

المقاصد الحسنة ، رقم الحدیث:۳۸۶، ص:۱۸۹

الدررالمنتثرة، رقم الحدیث: ۱۹۰

اللؤلؤالمرصوع : رقم الحدیث :۱۷۰

جیسے محدثین کا کسی حدیث سے عدمِ واقفیت اس حدیث کے عدمِ وجود کی دلیل کے طور پر کافی ہے۔

حدیث نمبر۵: "الناس علی دین ملوکھم"

لوگ اپنے بادشاہوں اور امراء کے دین پر چلتے ہیں یعنی جیسا بادشاہ ہوتا ہے، ویسی ہی رعایا ہوتی ہے۔

یہ حدیث ان مشہور الفاظ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، چنانچہ حافظ سخاویؒ، ملاعلی قاریؒ اور علامہ عجلونیؒ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔[1]

البتہ یہ حدیث اپنے معنیٰ و مفہوم کے اعتبار سے درست ہے اور اس مفہوم کی تائید دیگر روایات سے ہوتی ہے، چنانچہ امام سخاویؒ نے امام حاکمؒ، امام بیہقیؒ اور امام طبرانیؒ سے اس مفہوم پر مشتمل درج ذیل مرفوع حدیث نقل کی ہے:۔

"کما تکونون، یولیّ علیکم۔"[2]

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:
المقاصد الحسنة، رقم الحدیث: ۱۲۳۶، ص:۴۴۹
المصنوع، رقم الحدیث :۳۷۶، ص:۱۹۸
کشف الخفاء، رقم الحدیث :۹۰، ص:۲/۳۷۳

(۲) المقاصد الحسنة، رقم الحدیث: ۸۳۵، ص:۳۳۳

یعنی جیسے تم ہوں گے، ایسے ہی تمھارے اوپر بادشاہ اور امراء مسلط ہوں گے۔

نیز اس حدیث کے شواہد و نظائر بھی تاریخ میں بکثرت موجود ہیں۔ چنانچہ مشہور مفسر و مؤرخ علامہ ابن کثیرؒ اپنی شہرہ آفاق تاریخ ''البداية و النهاية'' میں اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حالات میں لکھتے ہیں:

'' ولید کی زیادہ تر توجہ تعمیراتی کاموں کی طرف تھی۔ (دمشق کی جامع مسجد کا بانی بھی یہی ولید بن عبدالملک تھا) یہی وجہ تھی کہ اس کے عہد خلافت میں جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے ملتا، تو موضوعِ سخن زیادہ تر تعمیراتی کام ہی ہوتا کہ تم نے کون سی عمارت بنائی ہے؟ اور کیا تعمیر کیا ہے؟ جب کہ اس کے بھائی سلیمان بن عبدالملک کا اپنے زمانہ خلافت میں زیادہ رجحان عورتوں کی طرف تھا، لہٰذا اس کے دور خلافت میں لوگ اپنی مجالس میں ایک دوسرے سے شادیوں کی تعداد اور باندیوں کے متعلق پوچھتے رہتے۔ جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی رغبت قرآنِ کریم کی تلاوت، نماز اور دیگر عبادات کی

طرف تھی، لہٰذا ان کے زمانے میں لوگ ایک دوسرے
سے مختلف اوراد، وظائف، قرآن کریم کی تلاوت اور تہجد
وغیرہ کے بارے میں پوچھتے رہتے۔"[۱]

لہٰذا بادشاہ اور امراء کا اثر رعایا پر پڑنا اگرچہ ایک مسلّم امر ہے، تاہم زیرِ بحث الفاظ کو بطورِ حدیث بیان کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

حدیث نمبر۶: تہمت کی جگہوں سے بچو۔

"إتقوا مواضع التهم۔"

یہ کلام بھی اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے طور پر زبان زد عام ہے، تاہم یہ آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں، چنانچہ حافظ عراقیؒ، علامہ زرقانیؒ اور حافظ عجلونیؒ جیسے ائمہ حدیث اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

" لم أجد له أصل"[۲]

اور یہ بات پہلے متعدّد مواقع پر ذکر کی جاچکی ہے کہ ان جیسے ائمہ حدیث کا کسی حدیث سے ناواقفیت کا اظہار اس کے موضوع ہونے کے لیے

---

(۱) البداية و النهاية:۱۲/۶۰۹

(۲) بالترتیب ملاحظہ کریں:
المغني عن حمل الأسفار، رقم الحديث:۲۶۴۳
الجد الحثيث، رقم :۹
كشف الخفاء، رقم :۸۸، ص:۱/۵۸

کافی ہے، لہٰذا یہ حدیث موضوع ہے۔ تاہم حضرت عمرؓ سے اس روایت کے مفہوم و معنی پر مشتمل کلام منقول ہے، چنانچہ ان کا ارشاد ہے:۔

"من عرض نفسه للتهمة فلا يلومنّ من أساء به الظن۔"(۱)

ترجمہ: جو شخص اپنے آپ کو تہمت کی جگہ پر پیش کرے اور پھر کوئی دوسرا شخص اس کے بارے میں بدگمانی کرے، تو وہ شخص اس بدگمانی کرنے والے کو ملامت نہ کرے (بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرے)

لہٰذا "اتقوا مواضع التهم" کا معنی و مفہوم اگرچہ درست اور ثابت ہے تاہم اس کو حضور ﷺ کی حدیث کے طور پر بیان کرنا درست نہیں۔

حدیث نمبر ۷: "الناس نيام إذا ماتوا إنتبهوا"

ترجمہ: لوگ سوئے ہوئے ہیں، جب انہیں موت آئے گی تب بیدار ہونگے۔

یہ روایت بھی حضور ﷺ کی حدیث نہیں، بلکہ در حقیقت یہ

---

(۱) الموضوعات الكبرىٰ، رقم :۱۵۱،ص:۴۹

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے۔[1]

حدیث نمبر۸: ”موتوا قبل أن تموتوا“

ترجمہ: موت سے پہلے ہی مرجاؤ۔

یعنی حقیقی اور غیر اختیاری موت سے پہلے زندگی میں ہی نفسانی خواہشات اور شہوات کو ترک کر کے اس طرح زندگی گزارو جیسے ایک فوت ہونے والا شخص ان تمام چیزوں سے لاتعلق ہوجاتا ہے۔

اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:۔

”انه ليس بثابت۔“[2]

علامہ زرقانیؒ بھی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

”لم يثبت“[3]

یعنی یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

لہٰذا اس روایت کو بطور حدیث بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حدیث نمبر۹: ”الفقر فخری“

میرے لیے فقر، فخر کی چیز ہے۔

---

(۱) ملاحظہ کریں: الدرر المنتثرة، رقم الحديث :٤٢٧
نیز المقاصد الحسنة ، رقم الحديث ١٢٤٠ ص: ٤٥٠

(۲) المصنوع في معرفة الحديث الموضوع ،رقم الحديث:٣٧٣،ص:١٩٨

(۳) مختصر المقاصد الحسنة ، رقم الحديث ، ١١١٠

حافظ ابن حجرؒ اس روایت کو من گھڑت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"إنه باطل موضوع"[1]

نیز حافظ سخاویؒ بھی لکھتے ہیں کہ یہ روایت آنحضرت ﷺ کی حدیث کی نہیں ہے، بلکہ یہ دراصل عبدالرحمن بن زیاد بن انعمؒ کا کلام ہے۔[2]

لہٰذا اس کو بطور حدیث بیان کرنا جائز نہیں۔

حدیث نمبر۱۰: "لاتنظروا إلى من قال و انظروا إلى ما قال"

ترجمہ: یہ مت دیکھو کہ بات کون کر رہا ہے؟ بلکہ اس کی بات کی طرف توجہ کرو، کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟

یہ روایت بھی اگرچہ مشہور و معروف ہے، تاہم یہ حضور ﷺ کی حدیث نہیں ہے، بلکہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کلام ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ اور ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

"هو من كلام عليّ رضي الله عنه"[3]

---

(۱) الجد الحثيث، رقم الحديث ٢٦٠
نیز كشف الخفاء، رقم :١٨٣٥،ص: ٢/١٠٢

(۲) المقاصد الحسنة، رقم الحديث :٧٤٥،ص:٣٠٧

(۳) بالترتیب دیکھیں:
الدرر المنتثرة، رقم :٤٦١
المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، رقم :٣٩٧،ص:٢٠٦

لہٰذا بطورِ حدیث اس کو بیان کرنا درست نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۱: اٹھارہ ہزار مخلوقات:۔

یہ روایت بھی عموماً بیانات میں بیان کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کل اٹھارہ ہزار مخلوقات پیدا کی ہیں۔

اٹھارہ ہزار تعداد پر مشتمل یہ روایت در حقیقت مخلوقات کے بارے میں نہیں بلکہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے سورۂ فاتحہ کی آیت "ربّ العالمین" میں عالم کی تعداد ذکر کی ہے اور اس میں صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے کل عالَم کی تعداد کے بارے میں متعدّد اقوال نقل کیے ہیں۔ ان میں سے ایک قول حضرت وہبؒ سے منقول ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

"وأخرج أبو الشيخ وأبونعيم فى "الحلية" عن وهب قال: ان لله ثمانية عشرألف عالَم، الدنيا منها عالم واحد"[1]

یعنی اللہ تعالیٰ نے کل اٹھارہ ہزار عالم پیدا کیے اور یہ پوری دنیا ان میں سے فقط ایک عالَم ہے۔

لہذا اٹھارہ ہزار کی تعداد عالَمین کی ہے نہ کہ دنیاوی مخلوقات کی، اس لیے کہ پوری دنیا ان اٹھارہ ہزار عالَموں

---

(۱) الدرالمنثور في التفسير بالمأثور:۱/۶۶

میں سے ایک عالم ہے۔

اس کے علاوہ حضرت ابن عباسؓ سے ستر ہزار، حضرت ابو سعید خدریؓ سے چالیس ہزار اور حضرت سعید بن مسیبؒ سے ہزار عالَم کی روایات منقول ہیں۔ (۱)

لہذا مخلوقات کی تعداد اٹھارہ ہزار بیان کرنا درست نہیں۔

حدیث نمبر ۱۲: "ایک گھڑی کا غور و فکر"

"تفکر ساعة خیرٌ من عبادة ستین سنة۔"

ترجمہ: ایک گھڑی کا غور و فکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

ہمارے ہاں یہ روایت عموماً اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ اللہ کے دین کے لیے سوچنا، کہ میری زندگی میں اور سارے عالم کے انسانوں کی زندگی میں کیسے دین آجائے۔ اس فکر کے لیے ایک گھڑی سوچنا ساٹھ یا ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔

اس روایت کو علامہ عجلونیؒ اور ملا علی قاریؒ نے بے بنیاد قرار دیا ہے۔ (۲)

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں:
خریدہ العجائب وفریدۃ الغرائب: ص۴۲۲، ۴۲۱
سراج الدین عمر بن الوردي المتوفی ۸۵۲

(۲) کشف الخفاء: ۱/۳۱۰۔ المصنوع: رقم ۹۴

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ قول دراصل حدیث نہیں ہے بلکہ مشہور بزرگ حضرت سری سقطیؒ (المتوفی ۲۵۳ھ) کا مقولہ اور ان کا کلام ہے۔[۱]

یہاں پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندہلویؒ نے فضائلِ ذکر میں غور وفکر کی فضیلت پر مشتمل جو روایات ذکر کی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور وفکر کرکے اس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے بارے میں ہے، ہمارے ہاں جو روایت عموماً بیان کی جاتی ہے اس میں دین کے سارے عالَم میں پھیلنے کے لیے غور وفکر بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیثؒ لکھتے ہیں:۔

"حضرت ابوہریرہؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی چھت پر لیٹا ہوا آسمان اور ستاروں کو دیکھ رہا تھا پھر کہنے لگا "خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ تمھارا پیدا کرنے والا بھی کوئی ضرور ہے۔ اے اللہ! تو میری مغفرت فرمادے "نظر رحمت اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اس کی مغفرت ہوگئی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک ساعت کا غور تمام رات کی عبادت سے افضل ہے۔ حضرت ابودرداءؓ اور حضرت انسؓ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔

---

(۱) المصنوع: رقم ۹۴،

حضرت انسؓ سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ ایک ساعت کا غور
ان چیزوں میں (یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں) اسّی سال
کی عبادت سے افضل ہے۔"(۱)

اس سے آگے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ نے امام غزالیؒ کے حوالے سے غور وفکر کی مزید تشریح کی ہے۔

لہٰذا اس روایت کو صحیح بیان کرنے کے لیے یہ کہنا چاہیے کہ مخلوقات الٰہیہ میں غور وفکر کرنا ساٹھ یا اسی سال کی عبادت سے افضل ہے جیسا کہ حضرت انسؓ کی روایت میں اسّی سال اور حضرت ابوہریرۃؓ کی روایت میں ساٹھ سال کا ذکر ہے۔

روایت نمبر ۱۳۱ "حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا اہل مدینہ کی دعوت کرنا"

یہ قصہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے تمام مدینہ والوں کی دعوت کی۔ تمام لوگ ان کی دعوت میں شریک ہوئے، آپ ﷺ نے ایک صحابیؓ کو مسجد نبوی میں سوچ وبچار میں مصروف دیکھا تو آپ ﷺ نے اس صحابیؓ سے پوچھا کہ تم کیوں حضرت عبدالرحمنؓ کی دعوت میں شریک نہیں ہوئے؟ اور یہاں کس سوچ میں پڑے ہو؟ تو انہوں نے

---

(۱) فضائل ذکر: ص۲۹۵۔

جواب دیا کہ میں اس بات کے لیے متفکر ہوں کہ کیسے ساری دنیا کے انسان جہنم کی آگ سے بچ جائے اور جنت والے بن جائیں۔ آپ ﷺ نے اس صحابی سے فرمایا کہ تمھارا ایک گھڑی کے لیے یہ سوچ و فکر کرنے کا اتنا اجر ہے کہ عبدالرحمن ؓ ایسی ہزار دعوتیں بھی کرلیں تو تمھارے اس اجر کو نہیں پہنچ سکتے۔

یہ قصہ بھی کتبِ حدیث میں تلاش کے باوجود نہ مل سکا۔ متعدّد اہلِ علم حضرات سے پوچھنے پر انھوں نے بھی اس قصے سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ کے جود و سخا کے قصے لاتعداد ہیں حتیٰ کہ ان کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ تمام مدینہ منورہ والے ان کے مال میں ان کے ساتھ شریک ہیں لیکن خاص اس قسم کے واقعے کا ثبوت نہ مل سکا۔

یہ چند مشہور روایات تھی جن پر جلیل القدر اور اہلِ تحقیق محدثین حضرات کے اقوال کی روشنی میں مختصراً کلام کیا گیا اور مقصود اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تنقیح ہے تاکہ جو باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط منسوب ہیں، اور عوام و خواص میں بطورِ حدیث سنی سنائی جاتی ہیں، جب کہ وہ در حقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نہیں ہیں، ان کو بطورِ حدیث بیان کرنے سے اجتناب کیا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ میری اس مختصر سی کوشش میں اخلاص عطا فرمائے اور اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور میرے لیے نیز میرے اساتذہ کرام اور والدین کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذریعہ بنائے۔

علامہ ابن الجوزیؒ کے دعائیہ الفاظ پر اس کتاب کو ختم کرتا ہوں۔

" اللهمّ لاتعذّب لسانًا يخبر عنك و لا عيناً تنظر إلى علوم تدل عليك ولا قدماً تمشي إلى خدمتك، ولا يداً تكتب حديث رسولك، فبعزتك لا تدخلني النار، فقد علم أهلها أني كنت أذب عن دينك۔ اللهمّ آمين"

مصادرومراجع

(۱) الآداب الشرعية، عبدالله محمد بن مفلح المقدسي، المتوفیؒ ۷٦۳ھ تحقیق شعیب الأرنؤوط، مؤسسة الرسالة ، بیروت

(۲) الآثار المرفوعة، محمد عبد الحيّ اللكهنوي، اِدارةالقرآن والعلوم الاسلامیه، کراچی

(۳) الأجوبة الفاضله، محمد عبدالحي اللكهنوي، اِدارةالقرآن والعلوم الاسلامیه، کراچی

(٤) أحسن الفتاوی، مفتي رشيد احمد لدھیانوي، ایچ۔ایم سعید، کراچی

(٥) إقتضاء العلم العمل، ابوبکر أحمد بن علي الخطیب البغدادي، المتوفی ٤٦۲ھ، المکتبة الاسلامي، بیروت

(٦) امدادالفتاویٰ، أشرف علي التهانوي، مکتبه دار العلوم، کراچی

(۷) أصول التخریج ودراسة الأسانید، محمود الطحان، مکتبة البشریٰ، کراچی

(۸) الإسرائیلیات وأثرهافي كتب الحديث، مزي نعناعه، دارالضیاء، بیروت

(٩) آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند
(١٠) بحارالأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، محمد باقر مجلسي، دارإحياء التراث، بيروت
(١١) ألبدايه والنهاية، أبوالفداء إسماعيل بن عمر بن كثير الدمشقي القرشي، المتوفى ٧٧٤هـ تحقيق، عبدالله بن عبدالمحسن التركي، دار هجر۔
(١٢) بذل المجهود في حل سنن أبي داود، خليل احمد سهارنپوری، المتوفى١٣٤٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت
(١٣) تحقيق المقال في تخريج أحاديث فضائل الأعمال، لطيف الرحمٰن البهرائجي القاسمي، مكتبةالحرمين، دبئ
(١٤) تقريب النووي، أبوزكريا يحيىٰ بن شرف النووي، المتوفى٦٧٦هـ، مكتبةالفريديه، اسلام آباد
(١٥) تدريب الراوي، جلال الدين عبدالرحمن بن أبى بكر السيوطي، المتوفى٩١١هـ، المكتب الاسلامى، بيروت
(١٦) تحذيرالخواص من أكاذيب القصاص، جلال الدين السيوطي، المكتب الاسلامى، بيروت، تحقيق، محمد بن لطفي الصباغ
(١٧) تنزيه الشريعةالمرفوعة عن الشنيعة الموضوعة، علي بن محمد ابن عراق الكناني الشافعي، المتوفى٩٦٣هـ، دارالكتب العلمية، بيروت۔

(۱۸) تفسير المراغي، أحمد مصطفیٰ المراغي، مطبعة مصطفیٰ البابي، مصر

(۱۹) تاريخ الخلفاء،جلال الدين عبد الرحمٰن السيوطي رحمه الله،المتوفى ۹۱۱ھ، دار ابن حسن

(۲۰) التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير، شهاب الدين أحمد بن علي بن محمد بن حجر العسقلاني، مؤسسةالقرطبة

(۲۱) تقريرات الرافعي على ردالمحتار ، عبدالقادر الرافعي، المتوفیٰ ۱۳۲۳ھ، مکتبه سبحانیه،کوئٹه

(۲۲) التعليق على بذل المجهود، محمد زكريا كاندهلوى رحمه الله ، دار الكتب العلميه بيروت

(۲۳) تهذيب التهذيب، أحمد بن على محمد بن حجر العسقلانى رحمه الله ، دار الكتب العلمية بيروت

(۲٤) الجامع لأ حكام القرآن،محمد بن أحمد أبي بكر القر طبي رحمه الله ، مؤسسة الرسالة

(۲۵) الجدالحثيث في بيان ما ليس بحديث، أحمد بن عبد الكريم العامري العزي، دار الراية، رياض

(۲٦) الحظ الأوفرفي الحج الأكبر ، علي بن سلطان محمد الملا علي القارى الهروي، المتوفي ۱۰۱٤ھ، المكتبةالأزهريه

(۲۷) خیر الفتاوی، مجموعۃمن العلماء،مکتبہ امدادیہ، ملتان۔

(۲۸) خريدة العجائب وفريدة الغرائب، سراج الدين عمربن الوردي البكري القرشي، المتوفى ۸۵۲ھ تحقيق انورمحمود زناتي، مكتبة الثقافة الدينيه، القاهرة

(۲۹) درس ترمذي، محمد تقي عثماني، مكتبه دارالعلوم، کراچی

(۳۰) الدررالمنتثرة فى الأحاديث المشتهرة، جلال الدين عبدالرحمٰن بن أبي بكر السيوطي، المتوفى۹۱۱ھ، مكتبة عمادة شؤون المكتبات، السعودية

(۳۱) الدرالمختار، علاء الدين محمد بن علي الحصكفي، مکتبه سبحانيه، کوئٹه

(۳۲) الدرالمنثور في التفسير بالمأثور، جلال الدين السيوطي رحمه الله، تحقيق عبد الله بن عبدالمحسن التركي، مركز هجر للبحوث والدراسات الاسلامية

(۳۳) ذيل اللآلي المصنو عة، جلال الدين السيوطي رحمه الله، المطبع العلوي

(۳۴) ذيل الموضوعات المعروف بـ تعقبات السيوطي على موضوعاتِ ابن الجوزی رحمه الله، جلال الدين السيوطي رحمه الله

(۳۵) روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، السيد محمد آلوسي البغدادي رحمه الله، المتوفى ۱۲۷۰ھ، داراحياالتراث العربي، بيروت

(٣٦) ردالمحتار، محمد أمين بن عمر المدعو بإبن عابدين الشامي، مكتبة سبحانية، كوئٹه

(٣٧) سنن ابن ماجه، محمد بن يزيد بن ماجةالقزويني، المتوفى٢٧٣هـ، قديمى كتب خانه، كراچى

(٣٨) شرح المسلم، أبوزكريا يحيىٰ بن شرف النووي، المتوفى٦٧٦هـ، قديمى كتب خانه كراچى

(٣٩) صحيح مسلمؒ، أبوالحسن مسلم بن الحجاج القشيرى النيشاپوري، المتوفى٢٦١هـ، قديمى كتب خانه كراچى

(٤٠) ضرب مومن، هفت روزه، كراچى

(٤١) طبقات الشافعية الكبرىٰ، أبونصر عبد الوهاب بن علي بن عبد الكافي السبكي، بيروت

(٤٢) علوم الحديث، عثمان بن عبدالرحمٰن، تقي الدين ابن الصلاح ، المتوفىٰ ٦٤٣هـ، تحقيق نورالدين عتر، دارالفكر، بيروت

(٤٣) عمدة القاري، بدر الدين أبومحمد محمود بن أحمد العيني، المتوفى٨٥٥هـ، دارالكتب العلمية، بيروت۔

(٤٤) غذاء الألباب في شرح منظومة الآداب، محمد بن أحمد بن سالم السفاريني الحنبلي، المتوفى ١١٨٨هـ، مؤسسة القرطبة

(٤٥) فتح الملهم ،شبير أحمد عثمانيؒ، مكتبه

دارالعلوم،کراچی

(٤٦) فتح المغيث بشرح ألفيةالحديث، محمد بن عبدالرحمٰن السخاوي الشافعي ،المتوفى ٩٥٢ھ، مكتبه دارالمنهاج ،رياض

(٤٧) الفوائد المجموعة في الأحاديث الضعيفة والموضوعة، محمد بن علي الشوكاني، تحقيق، رضوان جامع رضوان، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز

(٤٨) فتاوىٰ عزيزي، شاه عبد العزيز محدّث دهلوي، ايچ۔ايم۔ سعيد كمپنى، كراچى

(٤٩) فتح الباري، أحمد بن على بن محمد بن حجر العسقلانيؒ ، مكتبة الملك فهد

(٥٠) فتاوىٰ حقانية، مجموعة من العلماء، دارالعلوم حقانية، اكوڑه خٹك

(٥١) فضائل ذكر، محمد زكريا كاندهلوىؒ ،كتب خانه فيضى، لاهور

(٥٢) قيمة الزمن عندالعلماء ، عبد الفتاح أبوغدة ،المتوفى ١٤١٧ھ، مكتب المطبوعات الاسلامية

(٥٣) الكفاية في أصول السماع والرواية،أبو بكر أحمد بن على بن ثابت الخطيب البغدادى، المتوفى ٤٦٣ھ، دار الكتب العلمية، بيروت

(٥٤) كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، اسماعيل بن محمد العجلوني الجراحي،المتوفى ١١٦٢ﻫ، تحقيق يوسف بن محمود الحاج أحمد ، مكتبه العلم الحديث

(٥٥) كتاب الموضوعات من الأحاديث المرفوعات، أبوالفرج عبد الرحمٰن بن الجوزى ؒ، تحقيق نورالدين بن شكري، مكتبة أضواء السلف، رياض

(٥٦) اللؤلؤ المرصوع فيما لاأصل له أو بأصله موضوع، أبو المحاسن محمد بن خليل القاوقجي الطربلسي، المتوفى ١٣٠٥ﻫ، تحقيق، فؤاد أحمد، دارالبشائر الاسلامية

(٥٧) اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة، جلال الدين السيوطي ؒ، المتوفى ٩١١ﻫ، دارالمعرفة، بيروت

(٥٨) الموضوعات الكبرىٰ، على بن سلطان الملاعلي القارى الهروي المكى ؒ، تحقيق، محمد السعيد زغلول، قديمى كتب خانه، كراچى

(٥٩) المنار المنيف في الصحيح والضعيف، شمس الدين أبوعبدالله محمد بن أبوبكر الحنبلى ؒ المعروف بابن قيم الجوزيّة، المتوفى ٧٥١ﻫ،تحقيق عبدالفتاح أبوغدّة، دار الكتب، پشاور

(٦٠) مسندأحمد، أبوعبد الله أحمد بن محمد بن حنبل ؒ

المتوفى ١٢٤١هـ تحقيق شعيب الأرنؤوط، مؤسسة الرسالة

(٦١) المقاصد الحسنة في بيان كثيرمن الأحاديث المشتهرة على الألسنة، محمد بن عبدالرحمٰن السخاوي الشافعيؒ، المتوفى ٩٠٢هـ، تحقيق، محمد عثمان الخشت، مكتبة النورية الرضوية، لاهور

(٦٢) المجروحين من المحدثين والضعفاء والمتروكين، محمد بن حبان أحمد أبى حاتم التميمي البستي، تحقيق محمود ابراهيم زايد، دارالمعرفة، بيروت

(٦٣) المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، علي بن سلطان القاري الهروي المكي، تحقيق عبد الفتاح أبوغدّة، ايچ ـايم ـسعيد اينڈ كمپنى، كراچى ـ

(٦٤) معارف القرآن، مفتى محمد شفيع عثمانىؒ، ادارة المعارف، كراچى

(٦٥) المستدرك على الصحيحين، أبو عبد الله محمد بن عبدالله الحاكم النيشاپورى، دارالمعرفة، بيروت ـ

(٦٦) مختصر إستدراك الحافظ الذهبيؒ، عمر بن علي بن أحمد الأنصاري المعروف بابن الملقن، المتوفى ٨٠٤هـ، دار العاصمة، رياض ـ

(٦٧) مرقاة المفاتيح، علي بن سلطان ملاعلي القاري

الهروي المكي، مكتبه رشيديه، كوئته۔

(٦٨) المغني عن حمل الأسفار فى الأسفار في تخريج ما في الإحياء من الأخبار، زين الدين عبدالرحيم بن الحسين العراقي، مكتبة طبرية، رياض

(٦٩) مختصر المقاصد الحسنة، محمد بن عبد الباقي الزرقاني ؒ، المكتب الاسلامي، بيروت۔

(٧٠) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، نور الدين علي بن أبو بكر هيثمي ؒ، المتوفى ٨٠٧هـ، دار الفكر، بيروت۔

(٧١) مصنف عبدالرزاق، أبوبكر عبدالرزاق بن همام الصنعاني، المتوفى ٢١١هـ، المجلس العلمي ڈابهيل، هندوستان۔